Regd. L. No. 7243 Phone 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

کنونشن نمبر — دسمبر ۱۹۶۷ء

شائع کردہ

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ لاہور

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

جلد ۲۰ | شمارہ ۱۲

فہرست مشمولات

۱۔ روئداد طلوع اسلام کنونشن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱

۲۔ تاثرات صدارت : محترم خواجہ شہاب الدین صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۴

۳۔ استقبالیہ : میرزا محمد خلیل ۔ صدر کنونشن کمیٹی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۷

۴۔ رپورٹ : ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۹

۵۔ ایک گراں مایہ پیشکش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۶

۶۔ رپورٹ : سکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۷

۷۔ پرویز و فکر پرویز : محترم ظفر احسن محمود ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۹

۸۔ مفہوم القرآن پر نظر ثانی : پرویز صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰

۹۔ نوائے صبحگاہی : پرویز صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۱

۱۰۔ مطالب الفرقان : پارہ عم (ختم) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵۷

۱۱۔ باب المراسلات : (اسلامیات کی تعلیم اور سیاست) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۷۹

ایڈیٹر : محمد خلیل ۔ ناشر : سراج الحق ۔ مقام اشاعت : ۲۵۔ بی گلبرگ ، لاہور
مطبوعہ : اشرف پریس ۔ ایبک روڈ ، لاہور

باسمہٖ تعالیٰ

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن

روئیداد

طلوعِ اسلام کنونشن

دسواں سالانہ اجتماع

۹-۱۰-۱۱-۱۲ نومبر ۱۹۶۷ء

(نگارش — گلزار آفاقی)

یہ ۲۵ - بی گلبرگ ہے۔

تحریک طلوع اسلام کی دسویں سالانہ کنونشن میں شرکت کی غرض سے مندوبین پورے مغربی پاکستان سے چلے آ رہے ہیں۔ "استقبالیہ" کے خوبصورت شامیانہ تلے احباب اپنی آمد کی اطلاع دے رہے ہیں۔ منتظم استقبالیہ، متعلقہ احباب کی فہرست کی پڑتال کے بعد انہیں شناختی نشان دیتے ہیں اور آنے والے مہمان ایک اور کارکن کی معیت میں کیمپ میں اپنی مخصوص آرام گاہ میں پہنچ رہے ہیں۔ کیمپ تین کشادہ اقامت گاہوں پر مشتمل ہے۔ ۲۳/بی اور ۲۴/بی کی اقامت گاہیں مندوبین کی آرامگاہ، مطبخ اور ٹی سٹال کے لئے وقف ہیں۔ جبکہ مفکرِ قرآن کی اقامت گاہ ۲۵/بی پر "ایوانِ اجلاس" کا کتبہ نصب ہے۔ میں خود بھی سرگودھا سے آمدہ ایک معزز مندوب کو ان کی آرامگاہ تک پہنچانے آیا تھا کہ کیمپ کے وسط میں ۲۴ بی

کے مغربی گوشے میں بہت سے احباب کے جھگٹے نے میرے قدم روک لئے - دفورِ تجسس میں مجمع کو چیرتا ہوا اگلی صف میں پہنچ گیا۔ ایک طائرانہ نظر پیش منظر پر ڈالی، چھوٹے اور بڑے سائزوں میں قسم قسم کے خوشنما اور جاذبِ نظر رنگوں میں کتبے، حسین امتزاج کے ساتھ دیوار پہ آویزاں کرنے کا عمل جاری تھا - کچھ کتبے آویزاں کئے جا چکے تھے - ان کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ یہ بزم کراچی ہے جس کے نمائندہ محمد اسلام صاحب نے اپنے پرعزم رفقا کی معاونت سے اپنی بزم کی اٹھارہ ماہ کی کارکردگی کے نقوش کو ان کتبوں پر ثبت کردیا تھا۔ کیمپ کا یہ گوشہ جہاں احباب کراچی کی خدمات، جو ان کتبوں کے واسطے سے ناظرین تک پہنچیں، سب سے زیادہ مرکزِ توجہ بنا رہا - بعد کو اسلام صاحب نے مجھے بتایا کہ اگلے سال وہ کتبوں کی نمائش کے ساتھ قرآنی فکر پر مبنی ایک تمثیلچہ بھی تیار کرکے لائیں گے جسے کنونشن کے دوران میں کیمپ میں اسٹیج کیا جائے گا -میں بزم کراچی کی اس نگارش گاہ سے لوٹا تو یاران کہن کا ایک اور قافلہ کیمپ میں داخل ہوتے نظر آیا - میں انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے لپکا - ادھر سے ایک صاحب کھلے بازوؤں، تیزی سے میری طرف بڑھے اور مجھ سے بغلگیر ہوگئے - میں حیران تھا کہ اس قدر گرمجوشی کا مظاہرہ آخر چہ معنی دارد، جبکہ مجھے اس سے پیشتر ان سے کبھی شرفِ ملاقات نہ ہوا تھا - وہ میری حیرانگی بھانپ گئے۔" بھیا! حیران نہ ہو بیئے گا - فکرِ قرآنی نے ہمارے درمیان سے زمان ومکان کا بُعد اور بیگانگی کا احساس ختم کردیا ہے - ہم سب ایک ہیں' صدیوں سے ایک ——"
ان کی اس حقیقت افشائی پر زبان گنگ تھی - میں دل کی کسی نامعلوم تحریک پر پھر دوبارہ ان سے بغلگیر ہوگیا —— احباب جوق در جوق آتے رہے اور کیمپ میں اپنی مخصوص آرام گاہوں پر پہنچتے رہے سرِشام، پہلی بار غیر رسمی طور پر سب سینہ چاکانِ چمن مطبخ کے وسیع گوشے میں جمع ہوئے - اور شغلِ کام ودہن کی لطف یابی کے بعد مختلف ٹولیوں کی شکل میں آہستہ آہستہ "ایوانِ اجلاس" میں داخل ہونے لگے۔

۹ نومبر —— تعارفی نشست

آپ آگئے تو رونق کاشانہ ہوگئی

ایوانِ اجلاس میں سٹیج اور نشستوں کو غیر معمولی طور پر حسن کارانہ انداز میں ترتیب دیا گیا تھا - مندوبین حضرات اپنی اپنی نشستوں پر جمے بیٹھے تھے - کہ سٹیج پر جناب ظفر احسن محمود نمودار ہوئے - آپ نے اس تعارفی نشست کی صدارت کے لئے عبدالحکیم خان صاحب کو پکارا - تلاوت کلام الٰہی ہوچکی تو میرزا محمد خلیل نے تحسین داد دی میں بیتے چھیڑ دی -

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی

اور جب وہ اس شعر پر آئے:

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی

تو شدتِ واردات سے ان کی آنکھوں میں کھنچ آنے والی نمناکی اور آواز میں ترنم اور سوز کے عجیب امتزاج نے سامعین پر وجد کی کیفیت طاری کر دی ۔۔ نظم اقبال ہو چکی تو بزم کراچی کے نمایندہ جناب محمد اسلام کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے رفقاء کا تعارف کرائیں۔ لمبا تڑنگا، سانولا جسم، اوورکوٹ میں ملبوس اپنی نشست سے اٹھا اور غیر معمولی تاؤ اور تمکنت سے مائک کے سامنے آیا۔ چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور آنکھوں میں حیا کی بادامی سرخی آنے والے کی بھرپور شخصیت کا پتہ دے رہی تھی۔ موصوف نے اپنے رفقاء کے تعارف کی ابتدا دو معزز خواتین سے کی ایک خاتون بیگم اسلام کے نام سے پہچانی جاتی ہیں اور دوسری معمر خاتون بیگم عبد اللہ جمال صاحبہ تھیں۔ جو اپنی پیرانہ سالی اور ضعفِ جسمانی کے باوجود سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے نقط عشق قرآنی کی توانائیوں کو سینے سے لگائے کنونشن میں تشریف لائی تھیں۔ اگلی صبح بیگم موصوفہ سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے بشرے پر تھکن کے آثار ہویدا تھے۔ پروفیسر خالد سلام نے آپ سے میرا تعارف کرایا۔ گفتگو کے دوران میں انکشاف ہوا کہ وہ بیتی رات کا بیشتر حصہ جاگتی رہی ہیں۔ اسی دوران ان پر رقت طاری ہو گئی اور ان کا گلا رندھ گیا، آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ فرمانے لگیں "بیٹے! رات سے مفکر قرآن کو حرارت ہے اور میں ہزار فکروں میں ڈوبی رات سو نہ سکی، میری خوشی تو ان کی صحت یابی میں ہے"۔۔ اسلام صاحب اپنے رفقاء کا تعارف کراتے رہے ۔۔ رفقاء ۔۔ جن کے چہروں پر سینکڑوں میل کی مسافتیں شوق قرآنی کے جذبے تلے دب رہی تھیں۔ پھر ایک نوعمر طلوع اسلامی نے سارے پنڈال کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ یہ رفیق میاں تھے جو عمر کے اوائل برس میں ہیں لیکن چہرے پر کھلی، شاداب پیشانی کے نیچے ایسی گہری آنکھیں رکھتے ہیں جن میں شعور کی پختگی کا ارتقا اور سنجیدگی طبع کا عکس صاف صاف عیاں تھا ۔۔۔ آخر میں محمد اسلام کو یہ شرف بھی نصیب ہوا کہ ان کا تعارف جادۂ قرآنی کے قافلہ سالار خود پرویز صاحب نے یہ کہتے ہوئے کرایا کہ

ایسا کہاں سے لاؤں جو تجھ سا کہیں جسے

اس مرتبہ اسلام صاحب کے ہمراہ ۲۲ رفقا شریک محفل تھے۔ شخصی تعارف ہو چکا تو نمایندہ نے اپنا ڈیڑھ سال کا اعمال نامہ پیش کیا جسے تحسین و آفرین کے غلغلوں کے ساتھ ۔۔۔ ذہنوں میں محفوظ کیا گیا۔

بزم کراچی کے نمایندہ رخصت ہوئے تو راولپنڈی بزم کے نمایندہ جناب عزیز قریشی اپنی وجیہ شخصیت کے ساتھ

اپنے ساتھیوں کے تعارف کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے جناب ظہور احمد، محترم اقبال اور آصف صاحب کو حاضرین سے متعارف کراتے ہوئے کہا کہ حضرات یہ ہیں تین بنیادی اینٹیں جو بزم راولپنڈی کی تعمیر کا اہم جزو ہیں۔ ازاں بعد آپ نے دیگر احباب کے تعارف کے بعد اپنی کارکردگی کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا۔ جو بڑا حوصلہ افزا اور خوش آئند تھا۔ علاوہ دیگر سرگرمیوں کے، یہ بزم ایک ایسا فریضہ انجام دے رہی ہے جس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ آنے والی نسلیں لگا سکیں گی۔ اس بزم کے ایک فاضل رکن پرویز صاحب کے ہر درس قرآنی کو ارد و ٹائپ میں صفحۂ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں اور اس سلسلے میں آپ نے کوئی چھ ہزار صفحات مکمل بھی کر لئے ہیں (حاضرین کی طرف سے داد و تحسین) — بزم ملتان کا تعارف غلام محی الدین صاحب نے کرایا۔ انہوں نے اپنی کارکردگی کے سلسلہ میں بتایا کہ ۱۹۷۱ء میں یہ بزم محض چھ نفوس پر مشتمل تھی اب وہی تعداد ۲۵۔ تک پہنچ چکی ہے۔

کوہ میں دشت میں لے کے ترا پیغام پھرا — قمبر صاحب بزم کوئٹہ کے نمائندہ ہیں صاحب ذوق اور علم و ادب سے گہرا شغف رکھنے والے۔ آپ کی معیت میں (۹) احباب کوئٹہ سے تشریف لائے تھے۔ ان احباب میں اساتذہ بھی تھے اور طالب علم بھی دستکار بھی اور سرکاری ملازم بھی، معمر بھی اور جواں سال شوکت حسین بھی تھے جو ایف۔ اے کے طالب علم ہیں اور کنونشن میں پہلی مرتبہ شریک ہو رہے ہیں۔ بزم کوئٹہ کے احباب درس قرآن کو اس انداز سے نشر کرتے ہیں کہ کوئٹہ کے کوہ و دشت میں کوچہ بکوچہ اور قریہ بہ قریہ محفلیں جمتی ہیں اور سامعین شوق سماعت لئے مجتمع ہوتے ہیں۔

اب آپ عبدالحکیم خاں صاحب سے ملئے، آپ بزم مردان کے نمائندہ اور طلوع اسلام کے دیرینہ رفیق ہیں۔ سنجیدہ اور متین چہرے پر عمر رفتہ کے نقوش۔ کہنے کا انداز بے ساختہ اور بے باک کہ

اللہ کے بندوں کو آتی نہیں روباہی

فرمانے لگے کہ اس بار میرے ساتھ چار رفیق آئے ہیں ایک دوست سید علی جوہر بوجوہ نہ آسکے تاہم انہوں نے ایک خط میرے ہمراہ کر دیا ہے میں اس سے ایک اقتباس پڑھے دیتا ہوں۔

> "...... بابا جی اور میرے رفیقو! میں کنونشن میں حاضر نہ ہو سکا اور زندگی کی ایک بے پایاں نعمت سے محروم ہو گیا ہوں۔ اپنے نمائندہ سے میری گذارش ہے کہ وہ میری دل جمعی کے لئے چمن پرویز کے پھولوں کی بوباس خود میں جذب کر لیں اور یہ سوغات میرے لئے اپنے ساتھ لے آئیں۔"

ملاحظہ فرمائی آپ نے مرکز تعلیمات قرآنی سے احباب کی شیفتگی —!

مردان بزم کے ایک دوسرے معزز بزرگ جناب رضا محمد خاں صاحب سے تعارف کرایا گیا۔

ان کی جاذب نظر شخصیت نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں اگلے روز صبح سویرے ان کی خدمت میں سلام شوق لئے حاضر ہوا۔ بہت تپاک سے ملے۔ جیسے برسوں کی جان پہچان تھی فکر کی ساجھ تھی، پیار اور الفت کا رشتہ تھا۔ اس موقع پر میں نے ان سے فکر قرآنی کی نشر و اشاعت کے مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی۔ انہوں نے مردان میں تحریک کی اشاعت کے لئے جو گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں ان کی تفصیل میں جاؤں تو وہ کئی صفحات کو محیط ہوگی جسے میں آئندہ کسی نشست پر اٹھائے رکھتا ہوں۔

بزم لائلپور کے جواں سال اور تعلیم یافتہ اراکین کا تعارف محمد اکرم خاں صاحب نے کرایا۔ یہ حضرات اپنی اجتماعی سعی سے اپنے علاقے میں غیر معمولی مستعدی کے ساتھ فکر طلوع اسلام کو پھیلا رہے ہیں۔ بزم ہذا حافظ محمد یونس صاحب کی اقامت گاہ پر باقاعدہ درس قرآن کا اہتمام کرتی ہے۔

ازاں بعد سرگودھا۔ چنیوٹ اور میانوالی کی بزموں کا تعارف جناب محمد شریف لون نے کرایا۔ لون صاحب انتہائی باہمت کارکن ہیں۔ سرگودھا میں تھے تو وہاں بزم کے لئے اپنی خدمات وقف کئے رہے۔ پھر میانوالی کو منتقل ہوئے تو وہاں کی بزم کے سرخیل چنے گئے۔ آپ کی اپنی مساعی سے بھکر تحصیل میں بھی ایک بزم قائم کی جا چکی ہے۔ اس کے بعد بھلوال سے آمدہ احباب کے تعارف کا مرحلہ جناب شریف نے سر کیا۔ لتیہ کے مندوبین محمد یٰسین صاحب کے ذریعہ متعارف ہوئے —— جب نصف شب کا عمل ہو رہا تھا تو محترم ظفر احسن صاحب نے مندوبین کے چہروں پر طویل سفر کی تکان کے ابھرتے نقوش بھانپ لئے۔ ان کی تحریک پر فیصلہ ہوا کہ بقیہ تعارفی سلسلہ اگلے روز خصوصی اجلاس تک اٹھا رکھا جائے۔ احباب پھر چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی شکل میں ایوان اجلاس سے رخصت ہونے لگے اور اپنی اپنی آرام گاہوں میں پہنچ گئے۔ احباب ڈیڑھ سال بعد دوبارہ جمع ہوئے تھے۔ اس لئے آرام گاہوں میں بھی مختلف احباب تجدید وفا و پیمان کر کے رات گئے تک مصروف گفتگو رہے۔

۱۰ نومبر —— صبح کا خصوصی اجلاس

پو پھٹتے ہی احباب بیدار ہو چکے تھے۔ ناشتہ گاہ کے منتظم جمیل صاحب بہت مستعدی سے اپنے کارکنوں کو ہدایات دے رہے تھے۔ "کچھ دیر بعد احباب کی آمد شروع ہونے والی ہے۔ اور ہماری خواہش ہے کہ ہر مہمان کو اس کی مطلوبہ اشیا بروقت مل سکیں"۔ جمیل صاحب نے مجھ سے اپنے اس عزم کا اظہار ایک استفسار کے سلسلے میں کیا۔

قریب ½۸ بجے تمام مندوبین ایوان اجلاس میں اپنی اپنی نشستیں سنبھال چکے تھے۔ کرسی صدارت پر عبد الحکیم خاں صاحب (مردان) رونق افروز تھے۔ حافظ محمد یونس کی تلاوت کلام الٰہی کے بعد قافلہ قرآنی

کے حدی خواں جناب خلیل نظم سرا تھے۔

یا ہیں نہیں یا گردش افلاک نہیں ہے

تعارف کے نامکمل سلسلے کے ازسرِ نو آغاز سے پیشتر قلت وقت کے پیش نظر سٹیج کے منتظم جناب ظفر احسن صاحب نے نمایندگان سے اپیل کی کہ وہ ان لمحات میں فقط اراکین کے اجمالی تعارف پر اکتفا کریں اور کارکردگی پیش کرنے کا طریق کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھیں۔ بزم سکھو چک (تحصیل شکر گڑھ) بزم جلال پور جٹاں، بزم جلالپور اور بزم کنجاہ کے اراکین کے تعارف کے بعد بزم پنج کسی کے رکن عزیز صاحب نے اپنے رفقا کو سٹیج پر بلایا۔ ان کے (۹) رفقاء عزم وہمت کے پیکر بنے، دیہاتی لباس زیب تن کئے سٹیج پر کچھ اس انداز سے کھڑے ہوئے کہ فضا میں "کانھم بنیان مرصوص" کے نغمات گونج اٹھے۔ اس کے بعد پنڈ دادنخاں سے حافظ عبد المجید، بزم ویا منڈی سے اکبر علی صاحب، خوشاب سے نذیر احمد صاحب اور بزم لاہور چھاؤنی سے محمد اشرف صاحب نے اپنے احباب کا تعارف پیش کیا

سب سے آخر میں بزم لاہور کے روح رواں جناب میرزا محمد خلیل نے اپنے ساتھیوں کا تعارف تام پیش کیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو ان کی دل پسند طبائع کی خصوصیات کی مناسبت سے اس قدر موزوں الفاظ و القاب میں یاد کیا کہ مجمع پر ایک کیفیت کا عالم طاری ہو گیا۔

تعارفی سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچ چکا تو صدر کنونشن کمیٹی کے استقبالیہ کے بعد مفکر قرآن نے اپنا خطاب بہ عنوان "نوائے صبح گاہی" سے حاضرین کی سمع نوازی کی۔ چونکہ یہ خطاب چند صفحات بعد قارئین کے سامنے آجائے گا اس لئے مُشک آنست کہ خود ببوید کے پیش نظر میں اس کی تفصیل سے اجتناب کرتا ہوں۔

پرویز صاحب کے خطاب کے بعد ناظم ادارہ طلوع اسلام جناب میرزا محمد خلیل نے ادارہ کی ڈیڑھ سالہ کارکردگی کا اجمالی جائزہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ اس دوران میں ادارہ نے درج ذیل کتب شائع کی ہیں۔

عربی خود سیکھئے (طبع اوّل)

جہاد

پاکستان کا معمار اوّل۔

خدا اور سرمایہ دار

عربی خود سیکھئے (طبع دوم)

قرآنی قوانین (زیر طبع)
معراج انسانیت (طبع دوم، زیر طبع)
کتاب آخرت (سلسلہ معارف القرآن کی آخری کڑی) زیر کتابت۔

ناظم ادارہ نے انکشاف کیا کہ محترم پرویز صاحب کی اسلام سے متعلق معرکہ آرا تصنیف (بزبان انگریزی) ومفہوم القرآن کا انگریزی ترجمہ طباعت کے لئے تیار ہیں۔ اور تبویب القرآن کی نصف کے قریب تسوید ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں ناظم ادارہ نے رسالہ طلوع اسلام کی اشاعتی اسکیم کے بارے میں بزم کراچی ولاہور اور دیگر بزموں کی اعلیٰ کارکردگی پر اراکین بزم کو خراج تحسین سے نوازا۔ ناظم ادارہ کی رپورٹ کے بعد قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی کے سیکریٹری شیخ سراج الحق صاحب نے طلوع اسلام کالج کے مجوزہ قیام کے بارے میں روئیداد پیش کی۔

آخر میں صدر محفل عبد الحکیم خاں صاحب نے مندوبین سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں تحریکوں کے احیا اور پھیلاؤ سے متعلق ایک جامع مقالہ پڑھا جس میں انہوں نے تحریک طلوع اسلام سے متعلق خصوصاً بصیرت افروز معلومات فراہم کیں۔ خان صاحب نے اپنے مقالہ میں وضاحت کی کہ وہ کس طرح تحریک کے لٹریچر کو عوام الناس تک منتقل کرتے ہیں انہوں نے اس امر پر زور دیا کہ ہمارے کارکنوں کو چاہیئے کہ وہ قرآنی تعلیمات کا چلتا پھرتا پیکر بن جائیں تاکہ یوں تحریک عوام کے دلوں میں سرعت رفتاری سے جاگزیں ہو جائے (ان کا یہ مقالہ طلوع اسلام میں شائع ہو جائے گا)۔

خان صاحب موصوف کی تقریر ختم ہوتے ہی چوہدری عبد الرحمٰن (لاہور) نے مندوبین کو ایک خوشخبری سے نوازا۔ وہ یہ کہ ادارہ نے اس مرتبہ نہایت اہتمام سے، بڑی دیدہ زیب کراکری تیار کرائی ہے جس پر "طلوع اسلام" کا نقش دل فریب ثبت ہے۔ یہ کراکری، اپنی افادیت اور جمالیاتی زیبائش کے علاوہ، طلوع اسلام تحریک سے ہر وقت ہم نظر رہنے میں بڑی مفید ثابت ہوگی۔ مندوبین نے اس نادر تحفہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔

۱۰ نومبر ——— پہلا کھلا اجلاس

دسویں سالانہ کنونشن کا پہلا عام اجلاس ۲½ بجے دوپہر (ڈیرہ اسمٰعیل خان کے) حاجی نظام بخش کی زیر صدارت شروع ہوا۔ تلاوت کلام الہٰی کے بعد محترم پرویز صاحب نے اپنا خطبہ پیش کیا جس کا عنوان تھا: احادیث کا صحیح ترین مجموعہ، جس کے ایک لفظ میں بھی کسی مسلمان کو ذرہ برابر شک وشبہ

نہیں ہو سکتا۔" جب اس خطاب کا اعلان ہوا تھا تو ہر شخص اپنے دل میں سوچتا تھا کہ دیکھیں یہ مجموعہ کونسا ہے اور پرویز صاحب کو کہاں سے ہاتھ آ گیا ہے۔ لیکن جب خطاب سامنے آیا تو ہر شخص نے دیکھا کہ وہ مجموعہ خود اس کے اپنے پاس موجود ہے۔ (چونکہ یہ خطاب طلوعِ اسلام میں شائع ہوگا اس لئے میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا)۔

میں نے سامعین سے بھرے پڑے پنڈال پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ مفکرِ قرآن کے تحقیقی مقالے کی افادیت کا گہرا تاثر ہر سننے والے کے بشرے سے صاف صاف عیاں ہو رہا تھا۔

۱۰ر نومبر ——— شام کا اجلاس

آج سائنس کے نت نئے نئے انکشافات منظرِ عام پر آ رہے ہیں۔ ہمارا قدامت پسند مذہبی گروہ اسے تعلیماتِ قرآنی کے منافی قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری نئی پود جو جدید سائنسی اور تکنیکی تعلیم کے واسطے سے ایک جدید ذہن کے قالب میں ڈھل رہی ہے جو اسلامی تعلیمات کو ۱۴ سو سالہ پرانی اور فرسودہ تعلیم قرار دیتا ہے اور اپنی بے چین اور مضطرب روح کے لئے فریب خوردہ سکون حاصل کرنے کے لئے پکار اٹھتا ہے

میں ان میں نہیں ہوں جو ہوں گے،
میں اپنے سوالوں کی زنجیر میں قید ہوں'
اور انکار کے رات دن سے گزرتا ہوں،
میرے لئے معجزے اور پرانی کتابوں میں لکھی ہوئی ساری سچائیاں' مردہ نسلوں کی تاریک قبروں پر مٹتی ہوئی تختیاں ہیں مجھے اپنے اجداد کی ہڈیوں میں کبھی زندہ رہنے کی خواہش نہیں۔
(سلیم الرحمٰن۔ جدید نظم)۔

وقت کا یہی تقاضا تھا جسے پورا کرنے کے لئے آج شام کا یہ اجلاس ایک اہم خصوصیت در آغوش تھا۔ آج پنڈال میں بیشتر سامعین، سائنسدانوں۔ پروفیسروں۔ ڈاکٹروں اور کالجوں کے سائنس اور ڈاکٹری کے طالب علموں پر مشتمل تھے اور ایسی کثیر تعداد میں کہ آغازِ اجلاس سے قبل ہی پنڈال کھچا کھچ بھر چکا تھا۔ ٹھیک وقت پر، ہماری محفلِ قرآنی کے گلِ سرسبد' ڈاکٹر سید عبد الودود صاحب، مائک پر تشریف لائے اور تسمیہ کے بعد اپنے لیکچر کا آغاز کیا جس کا عنوان تھا۔

انسانی تخلیق ——— سائنس اور قرآن کی روشنی میں

ان کا انداز ایسا تھا جیسے ایک بلند پایہ پروفیسر، کلاس میں لیکچر دے رہا ہو۔ وہ تخلیقِ انسان کے

سلسلہ دراز کی ایک ایک کڑی کے متعلق پہلے یہ بتاتے کہ اس وقت تک کے سائنس کے انکشافات کیا ہیں۔ سلائڈ کے ذریعے اس کی وضاحت کرتے۔ اور اس کے بعد قرآن کریم کی متعلقہ آیت (یا آیات) سامنے لاکر بتاتے کہ جس راز کو سائنس اٹھارویں صدی میں پاسکی اسے قرآن نے کس طرح چھٹی صدی میں بے نقاب کردیا تھا۔ وہ جب سائنس کے انکشاف کے ساتھ قرآنی آیت ملاتے تو پنڈال تحسین و آفرین کے غلغلوں سے گونج اٹھتا۔ ظاہر ہے کہ لیکچر کا موضوع بڑا ٹیکنیکل فلہذا خشک تھا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس میں اس قدر دلچسپی پیدا کی کہ دو گھنٹے کے اس لیکچر میں کسی نے آنکھ تک بھی تو نہ جھپکی ہوگی۔ لیکچر کے اختتام پر سامعین کی طرف سے متفقہ مطالبہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب اس سلسلہ کو آیندہ بھی جاری رکھیں اور اسے کتابی صورت میں قلمبند فرمادیں۔ جلسہ برخاست ہونے پر میں نے ایک سائنسدان کو یہ کہتے سنا کہ اگر ہمارے کالجوں کو اس قسم کے پروفیسر نصیب ہوجائیں تو مملکت کو اسلامی بننے میں کچھ بھی دیر نہ لگے۔ کنونشن اس اجلاس کی کامیابی پر جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔

---

۱۰ نومبر شب - اور ۱۱ نومبر صبح

یہ اجلاس مندوبین پر مشتمل تھے جن میں تحریک کے نظم و نسق اور فروغ و ارتقاء کے سلسلہ میں بڑے مفید فیصلے کئے گئے۔

۱۱ نومبر ——— دوپہر کا عام اجلاس (مذاکرہ)

آثار بتاتے ہیں سحر ہو کے رہے گی

ادارہ طلوع اسلام نے اس مرتبہ بھی پابندیٔ وقت کی اپنی دیرینہ روایت کو برقرار رکھا۔ ۲½ بجے تک مندوبین مبصرین، اخباری نمایندگان اور دیگر اکابرینِ شہر کے علاوہ مختلف درسگاہوں میں زیرِ تعلیم طلباء و طالبات اور ان کے والدین پنڈال میں جمع ہوچکے تھے۔ ٹھیک ۲½ بجے محترم پرویز صاحب پلیٹ فارم کے سامنے تشریف لائے۔ آپ نے اس مذاکرہ کی غرض و غایت اور افادیت کے ذکر میں فرمایا کہ آج کے ابھرنے والے بچے اور بچیاں ہمارا مستقبل ہیں یہی کل کی آواز ہیں۔ قرآن مجید زندگی کے ہر شعبے میں مرد اور عورت کو یکساں اور مساوی حقوق سے نوازتا ہے۔ اس لئے ہر شعبۂ حیات میں دونوں کی فعال اور بھرپور نمایندگی ازبس ضروری ہوجاتی ہے۔ کوئی قوم اس وقت تک پنپ ہی نہیں سکتی جب تک کہ اس کی نصف آبادی کو بھی کاروبارِ زندگی میں مساوی حصہ دار نہیں بنا لیا جاتا۔ اس کے بعد انہوں نے مذاکرہ کی صدارت کے لئے علی گڑھ کے

ممتاز علمی گھرانے کی مایہ ناز 'ماں' محترمہ بیگم سکندرہ ریاض کو تجویز کیا جس کا سامعین نے گرم جوشی سے استقبال کیا۔ مذاکرہ کا آغاز مرحوم خلیفہ شجاع الدین کی علم دوست صاحبزادی محترمہ ثریا عندلیب کی تلاوت کلام الٰہی سے ہوئی۔ طلوع اسلام کنونشن کا یہ مذاکرہ، ایک ایسی خصوصیت کا حامل ہوتا ہے کہ سامعین ایک سال تک نہایت بے تابی سے اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر اس مرتبہ تو موضوع بھی ایسا تھا جس کی کشش سے منتظرین ہجوم در ہجوم شریک محفل ہو رہے تھے۔ مذاکرہ میں، پروفیسرز۔ اساتذہ۔ طلبا اور طالبات سب شریک تھے۔ میرا جی تو چاہتا ہے کہ اس شگفتہ و شاداب۔ بصیرت افروز و حقیقت کشا۔ حیات بخش دبہار آور نشست کی پوری روئیداد پیش خدمت کروں لیکن ـــــ سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے ـــــ اس وقت میں صرف اتنا عرض کر دینے پر اکتفا کروں گا کہ جب ان نونہالانِ ملت میں سے جب کوئی اپنا مقالہ ختم کر کے جانے لگتا تھا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ مشرق کی سمت سے فی الواقعہ نمود سحر ہو رہی ہے۔ اور سورج کی پہلی کرنیں محفل کو بقعۂ نور بنا رہی ہیں ـــــ ملت کے سورج کی پہلی کرنیں تو خود یہ چراغ بدست نونہال تھے!

مذاکرہ کے یہ تمام خطابات طلوع اسلام کی کسی آئندہ اشاعت میں سامنے آجائیں گے۔ لیکن اس کے آئندہ اختتام پر ایک ایسا منظر سامنے آیا جسے زندگی بھر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مذاکرہ کی روایت کے مطابق آخر میں، صحن خانہ پرویز کی دو بچیاں مائک پر آئیں۔ ان میں سے چھوٹی بہن نے (سب سے آخر میں) کہا کہ

خدا میرے بابا جی کی عمر ہزار برس کی کرے۔ لیکن فطرت کے قاعدے بڑے اٹل واقع ہوئے ہیں۔ میں ڈرتی ہوں کہ ـــــ

اور اس کے بعد اس کا گلا رندھ گیا اور وہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔ یہ منظر ایسا دل گداز تھا کہ سامعین میں سے ہر ایک کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور بعض گوشوں سے چیخوں تک کی آواز ابھر آئی ـــ کافی وقت کے بعد، بمشکل اس بچی نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ لیکن اپنا فقرہ پورا کیا تو اس طرح کیا کہ

اس کے بعد ـــ میرے بزرگو! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتی کہ

شب ہجراں کے جاگنے والو
کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی

ادھر اس سے "آخر شب" کا وہ منظر سامنے آ گیا جس کے متعلق اقبالؒ نے کہا تھا کہ اس میں

دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ

کس قدر والہانہ محبت ہے اس مفکرِ قرآن کے ساتھ شیدائیانِ قرآن کو!

۱۱ر نومبر (ہفتہ) شب

محفلِ استفسارات

ہمارے دہلوی شاعر نے کہا تھا

تجھ کو بتاؤں تو تمہیں اللہ کی قسم
یہ کیا ہے صبح سے جو دعائیں ہیں شام کی

لیجئے۔ بالآخر وہ شام آگئی جس کے لئے ایک صبح سے نہیں، ڈیڑھ سال ہر صبح، دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ یہ وہ شام ہے جس میں بزمِ استفسارات آراستہ ہونے والی ہے۔ طلوعِ اسلام کنونشن میں اس محفل کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں سامعین کو اجازت ہی نہیں، دعوت دی جاتی ہے کہ وہ زندگی کے عملی مسائل سے متعلق جو سوال جی میں آئے، پوچھیں۔ مفکرِ قرآن اس کا جواب اپنی قرآنی بصیرت کے مطابق دیں گے۔ اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ یہ سوالات کس قدر متنوع اور زندگی کے کون کون سے گوشوں سے متعلق نہ ہوں گے ——— روٹی کا مسئلہ۔ قرآنی نظامِ ربوبیت اور نظامِ سرمایہ داری میں بنیادی فرق۔ آزادیٔ نسواں۔ عورت کا صحیح مقام۔ شادی میں فریقین کی رضامندی کے حدود۔ خاندانی منصوبہ بندی۔ نظریۂ ارتقاء۔ تخلیقِ آدم۔ تعمیرِ خودی۔ توبہ کی حقیقت جیسے فکر انگیز سوالات اور دوسری طرف اس انداز کے بھی کہ ——— تم مجددِ زمان کی بیعت کیوں نہیں کرتے، میں نے جنات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور تم ان سے انکار کرتے ہو ——— مُلّا کے مذہب میں کیا خرابی ہے ——— وغیرہ جیسے استفسارات۔ ——— ان سوالات کے جواب میں مفکرِ قرآن کا انداز بھی منفرد اور ان کی عام تحریر و تقریر سے جداگانہ ہوتا ہے۔ وہ اس میں دقیق سے دقیق حقائق کو ایسے شگفتہ انداز سے بیان کرتے ہیں کہ اس سے ذہنوں کے پردے ہٹنے اور دلوں کی کھڑکیاں کھلنے کے ساتھ ہی، معترض کی طبیعت میں شگفتگی اور بشاشت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اوقات پوری کی پوری محفل زعفران زار بن جاتی ہے۔ لیکن اس ظرافت میں بھی کیا مجال جو متانت اور وقار کا دامن ذرا بھی ہاتھ سے چھوٹنے پائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مبدءِ فیض نے اس صاحبِ فکر و نظر کو فکر کی بلندی، نگاہ کے عمق اور قلب کی کشاد کے ساتھ، ذوقِ جمالیات سے جو بہرہ وافر عطا کیا ہے، اس نے ان کی طبیعت میں عصائے کلیمی کے ساتھ یدِ بیضا کا نہایت حسین امتزاج پیدا کر دیا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اس قدر عمیق اور

دقیق سوالات کے جواب میں نہایت برجستہ اشعار۔ بے ساختہ محاورات کا استعمال۔ نادر تشبیہات۔ حسین استعارات۔ ملاحت آمیز مزاح۔ بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس محفل میں شرکت سے استہزاء اور مزاح میں لطیف فرق سامنے آجاتا ہے۔ دوسری طرف نزاکت احساس کا یہ عالم کہ محفل میں طاہرہ بیٹیاں اور بہنیں بھی کافی تعداد میں موجود ہوتی ہیں۔ کیا مجال جوان کے احترام اور وقار پر کسی قسم کی پرچھائیں بھی پڑ جائے۔ ایسا مزاح جس میں بیٹیاں اور بہنیں بھی برابر کی شریک ہو سکیں۔ — کار ہر دیوانہ نیست۔

اور یہ وجہ ہے جو اس شام کا صبح سے انتظار ہوتا رہتا ہے۔ ڈھلی رات تک یہ محفل کہ جس کا ہر گوشہ دامانِ باغبان وکفِ گل فروش سے کم نہ تھا، جاری رہی۔

---

۱۲ نومبر — آخری کھلا اجلاس

پایم بہ پیش از سرایں کو نمی رود
یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست؟

یوں تو طلوعِ اسلام کنونشن کا آخری اجلاس ہمیشہ "حاصلِ مشاعرہ" کی حیثیت لئے ہوتا ہے لیکن اس دفعہ پرویز صاحب کے مقالہ کے موضوع — انسانیت کا آخری سہارا — نے اس میں خاص دلکشی پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دس بجے سے بہت پہلے سارا پنڈال بھر گیا تو طعام گاہ سے میزیں اٹھا کر کرسیاں بچھوا دی گئیں۔ اس پر بھی تنگیٔ داماں کا گلہ سنا ہوا تو کنونشن کے مندوبین فرش پر بیٹھ گئے۔ اور اس اہتمام کے باوجود، سینکڑوں افراد کو کھڑے رہنا پڑا۔ ٹھیک دس بجے، تلاوتِ قرآن پاک، اور مفتی اقبال نذیر فاروقی کی آتش نفسی کے بعد ڈاکٹر صلاح الدین اکبر نے اپنا پُرمغز مقالہ اپنے ہلکے پھلکے انداز میں انتہائی شگفتگی کے ساتھ پیش کیا۔ مقالہ کے دوران صدر محفل محترم خواجہ شہاب الدین صاحب ایئرپورٹ سے سیدھے جلسہ گاہ میں تشریف فرما ہوئے تو سینکڑوں قلوب کے خلوص ومحبت نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ وہ مسندِ صدارت پر فروکش ہوئے تو ظفر احسن محمود صاحب نے پیرِ تدبیر اور فکر سرِ تدبیر — کے عنوان سے نہایت بصیرت افروز اور حقائق پرور خطاب ارزاں فرمایا۔ اور اس کے بعد جب مفکرِ قرآن اسٹیج پر آئے تو میرے قرطاس ذہن پر بے ساختہ میر کا یہ شعر منعکس ہو گیا کہ

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

وہ جوں جوں اپنے خطاب میں آگے بڑھ رہے تھے یوں نظر آتا تھا جیسے دورِ آدم سے لے کر عہدِ حاضر تک

کی ساری تاریخ انسانیت، ایک دل کش فلم کی طرح پردہ سیمیں پر جلوہ بار ہے۔ وہ خطاب پیش کر رہے تھے اور سامعین ان کے تبحرِ علمی، رفعتِ فکری اور وسعتِ نگہی کے احساس سے انگشت بدنداں تھے۔ یوں نظر آتا تھا جیسے علم و حقائق کا ایک بحرِ مواج ہے جو اپنی تلاطم خیزیوں سے ایک طرف سمندر کی انتہائی گہرائیوں سے گہرہائے آبدار کو سطح ذہنی پر لائے، اور دوسری طرف باطل کے ہر نظام کو خس و خاشاک کی طرح بہائے چلا جا رہا ہے۔ پورے خطاب کے دوران، ساری محفل، واہ --- اور --- آہ کا مرقع نظر آتی تھی حتیٰ کہ جب انہوں نے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد اپنا مقالہ ختم کیا تو سامعین ہی نہیں خود صاحبِ صدر کی آنکھیں بھی نم آلود تھیں۔ اور اپنی اشکبار آنکھوں سے انہوں نے اپنے صدارتی تاثرات کو پیش فرمایا جو بجائے خویش اثر و درد کی ایک پُرکیف داستان لئے ہوئے تھے --- ڈیڑھ بجے کے قریب یہ محفل --- کہ جس میں ساڑھے تین گھنٹے تک کسی شخص نے آنکھ تک نہیں جھپکی تھی --- یوں ختم ہوئی کہ سامعین کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہم کس عالم سے کس دنیا میں آ گئے۔

(صاحبِ صدر کے تاثرات اسی اشاعت میں سامنے لائے جا رہے ہیں اور پرویز صاحب کا مقالہ کسی آئندہ اشاعت میں شائع ہوگا)۔

الوداعی تقریب

گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں
محبت کا زمانہ آ رہا ہے

لیجئے! اب فراق کی وہ گھڑی آ گئی جس کی تاب، نہ جانے والے لا سکا کرتے ہیں نہ انہیں رخصت کرنے والا --- مفکرِ قرآن --- الوداع کے ان چند لمحات کی دل گدازی کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جسے نہ زبان سے بیان کیا جا سکتا ہے نہ قلم سے لکھا --- لہذا، میں بھی اس سعیٔ لاحاصل کی جسارت کیوں کروں۔ اور اس عکاسی کو صاحبِ فکر کے اس الوداعی پیغام پر کیوں نہ ختم کر دوں کہ

وداع و وصل جداگانہ لذتے دارد
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

اس وقت جب میں جلسہ گاہ سے ملحق برآمدہ میں بیٹھا یہ سطور قلمبند کر رہا ہوں تو میرے سامنے یہ منظر ہے کہ

آگ بجھی ہوئی اِدھر ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

تاثراتِ صدارت

طلوعِ اسلام کنونشن کے اجلاس منعقدہ ۱۰ ر نومبر کی صدارت محترم المقام خواجہ شہاب الدین صاحب مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات نے فرمائی۔ اس میں پرویز صاحب نے اپنا معرکہ آرا مقالہ بعنوان "انسانیت کا آخری سہارا" پیش فرمایا۔ قریب ۱½ گھنٹہ پر مشتمل یہ مقالہ اس جذب و انہماک سے سنا گیا کہ ہر طرف ——— مژدہ برہم مزن تا نہ شکنی رنگِ تماشا را ——— کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ اثر و کیف کا یہ عالم تھا کہ کوئی قلب نہ تھا جو درد آگیں اور کوئی آنکھ نہ تھی جو اشک بار نہ ہو۔ مقالہ کے خاتمہ پر صاحبِ صدر نے نم آلود آنکھوں اور اثر و درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے حسبِ ذیل ارشادات ارزاں فرمائے۔ پرویز صاحب کا مقالہ طلوعِ اسلام کی کسی آئندہ اشاعت میں شائع ہوگا۔

طلوعِ اسلام

میں ادارہ طلوعِ اسلام کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے مجھے کنونشن کے اس اجتماع میں شرکت کی دعوت دی' اور اس اجلاس کی صدارت سے نوازا۔ اس تقریب میں شرکت میری زندگی کے یادگار واقعات میں سے ہوگی۔

مجھے محترم پرویز صاحب سے ایک عرصے سے ذاتی تعارف کا فخر حاصل ہے اور اگر مرکزی حکومت سے وابستگی کے سلسلہ کو نسبت قرار دیا جائے' تو میں کہہ سکتا ہوں کہ ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
اُو بصحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم!

لیکن ان کے ساتھ معنوی تعارف ان کی قرآنی فکر کے ذریعے ہوا۔ اور یہ وہ تعارف ہے کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ جس کی گرہیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ مجھے اس امر کے اعتراف میں نہ صرف یہ کہ کوئی تامل نہیں بلکہ فخر ہے کہ میں نے ان کی قرآنی فکر سے بہت استفادہ کیا ہے جس کے لئے میں ان کا شکر گذار ہوں۔ یوں تو ان کی تصنیفات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جو بلند علمی پایہ کی نہ ہو' لیکن میری بصیرت کے مطابق'

ان میں ان کی "لغات القرآن" اور "مفہوم القرآن" یقیناً صدیوں تک زندہ رہیں گی۔

لیکن علمی تصنیفات کے علاوہ پرویز صاحب کی عملی خدمات بھی کچھ کم مستحقِ ستائش نہیں۔ تحریکِ پاکستان کے دوران، ہمیں ہندو اور انگریز کے خلاف جو جنگ لڑنی پڑی تھی وہ بجائے خویش بڑی ہمت طلب تھی۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ مہیب لڑائی وہ تھی جو اس تحریک کی مخالفت کرنے والے علماء کے ساتھ لڑنی پڑی۔ (ضمناً، یہی لوگ جنہوں نے اس زمانے میں تحریکِ پاکستان کی اس قدر مخالفت کی تھی، اب پوری ڈھٹائی سے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اس کی قطعاً مخالفت نہیں کی تھی۔ حالانکہ یہ لوگ، تحریکِ پاکستان کے حامیوں کو جنت الحمقاء میں بسنے والے بتایا کرتے تھے۔) بہرحال محترم پرویز صاحب نے ان کے خلاف سخت لڑائی لڑی۔ اس لڑائی میں انہوں نے جس معرکہ آرائی کا ثبوت دیا، طلوعِ اسلام کے اُس زمانے کے فائیل اس پر شاہد ہیں ___ اور یہ وہ زمانہ تھا جب پرویز صاحب انگریزوں کی حکومت میں ہندوؤں کے ماتحت ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔ ان حالات میں اس قسم کی کھلی ہوئی جنگ کرنا انہی کا کام ہے۔ لیکن ان کی یہ جنگ تشکیلِ پاکستان کے ساتھ ختم نہیں ہوئی۔ یہ اب تک جاری ہے۔ اب ان کی یہ جنگ ہے قدامت پرستی کی تاریکیوں کے خلاف جہادِ مسلسل۔ اس جنگ میں بھی ان کا انداز منفرد ہے۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ ہنگامہ آرائیوں اور شورش انگیزیوں سے آپ فساد تو برپا کر سکتے ہیں لیکن قوم میں صحیح انقلاب پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک قوم کے قلب و دماغ میں تبدیلی پیدا نہ کی جائے۔ اور یہی وہ جہاد ہے جس میں یہ گزشتہ بیس سال سے مسلسل مصروف ہیں اور جس کے نتائج بحمد اللہ بڑے خوشگوار ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اس جہاد کو بغیر کسی خارجی امداد کے تنہا جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس جنگ میں ان کی قوت کا راز قرآن مجید کی محکمیت اور اکملیت اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت و عظمت پر ان کا یقینِ محکم ہے جس کی ایک جھلک آپ نے ان کے آج کے خطاب میں بھی دیکھ لی ہے۔

قرآن مجید فطرت کے قوانین کی طرح تمام نوعِ انسان کے لئے کھلا ہوا ضابطۂ حیات ہے جس طرح فطرت اپنے حقائق کے منکشف کرنے میں کوئی بخل نہیں برتتی۔ جو بھی اس کی نقاب کشائی کے لئے ہاتھ بڑھائے عروسِ فطرت مسکراتی ہوئی بے حجابانہ اس کے سامنے آجاتی ہے۔ اسی طرح خدا کی یہ کتابِ عظیم بھی اپنی راہنمائی میں ما اور شما میں کوئی تفریق نہیں کرتی ___ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ___ خدا کا ارشاد ہے۔ یعنی جو بھی ہمارے بارے میں جد و جہد کرے گا، ہم اسے اپنی طرف آنے والے راستے دکھا دیں گے۔ شرط صداقت کے ساتھ جد و جہد کی ہے اور بس ؎

ہست ایں میکدہ و دعوتِ عام است اینجا　　　قسمتِ بادہ باندازۂ جام است اینجا

لیکن کسی جدید راستے کی تلاش تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان اس راستے کے غلط ہونے کا احساس کرے جس پر وہ چلا جا رہا ہے۔ جیسا کہ پرویز صاحب نے اپنے خطاب میں وضاحت سے بتایا ہے، اس وقت اقوام عالم کا ہیجان و اضطراب اس امر کی بشارت دیتا ہے کہ وہ اپنے موجودہ راستوں کی صحت کے متعلق غیر مطمئن ہو چکے ہیں، اس لئے وہ ان کی جگہ ایک جدید راستے کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اور چونکہ وہ اپنے ذہن کے تراشیدہ راستوں کو ایک ایک کر کے آزما چکے ہیں، اس لئے اب امید کی جا سکتی ہے کہ ان کا اگلا قدم اُس راستے کی طرف اُٹھے گا جسے قرآن مجید نے متعین کیا ہے اور جو کاروانِ انسانیت کو اس کی منزلِ مقصود کی طرف لے جائے گا۔ اُن لوگوں کا نوعِ انسان پر احسان ہے جو اس راہ گم کردہ قافلے کے لئے صحیح راستے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ پرویز صاحب یقیناً ان افراد میں بلند مقام رکھتے ہیں۔

میں پھر ایک بار اربابِ ادارہ طلوع اسلام کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اس جلسے کی صدارت اور محترم پرویز صاحب کے عمیق خیالات سے مستفید ہونے کا شرف بخشا!

والسلام!

نشیدِ جانفزا

بِلّٰہِ الحمد کہ پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم جو لاہور میں آٹھ سال سے مسلسل جاری ہے، دسمبر کے اخیر تک اختتام پذیر ہو جائیگا۔ بزم طلوع اسلام لاہور کا ارادہ ہے کہ اس تقریبِ جاں نواز کو نہایت تزک و احتشام اور بکمالِ رعنائی و زیبائی منایا جائے۔ تاریخ اور پروگرام کا اعلان طلوع اسلام کی آئندہ اشاعت میں کیا جائیگا۔

آج کل یہ درس ہر اتوار کی صبح نو بجے، ان کے مکان ۲۵ بی گلبرگ ۲ میں ہوتا ہے!

ناظم - ادارہ طلوع اسلام!

میرزا محمد خلیل۔ صدر کنونشن کمیٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استقبالیہ

برادران گرامی قدر۔ سلام و رحمت!

آپ کو معلوم ہوگا کہ کنونشن کئی سال تک اپریل کے شروع وسط یا اخیر میں منعقد ہوتی رہی لیکن چونکہ اپریل کا مہینہ کالج کے طلباء کے لئے امتحانوں کی تیاری کی وجہ سے غیر معمولی مصروفیات کا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ان دنوں کنونشن کے کھلے جلسوں اور مخصوص مذاکرات میں اتنی دلچسپی سے شامل نہیں ہو سکتے جتنا امتحانوں اور موسم گرما کی تعطیلات سے فارغ ہونے کے بعد۔ اس لئے ۱۹۶۴ء میں کنونشن کا انعقاد نومبر کے وسط میں ہوا اور اس کے کامیاب تجربہ کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ ہر سال کنونشن موسم سرما کے شروع میں یعنی اکتوبر یا نومبر ہی میں ہو۔ لیکن ۱۹۶۵ء میں اس فیصلے کے مطابق کنونشن منعقد نہ ہو سکی۔ کیونکہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جنگ چھڑ گئی جس کی وجہ سے گزشتہ کنونشن کے لئے پھر ہمیں موسم بہار میں ہی جمع ہونا پڑا۔ امسال کنونشن کے لئے پہلے ۳، ۴، ۵ نومبر تواریخ مقرر کی گئیں لیکن بعض مصالح کی بنا پر اسے ایک ہفتہ آگے بڑھانا پڑا۔ آپ احباب کو جو صعوبت اور زحمت دور دراز کا سفر اختیار کر کے اس اجتماع کو کامیاب بنانے میں ہوتی ہے، ہمیں اُس کا پورا احساس ہے اور اس کا بھی کہ آپ کو جو آرام اپنے گھروں میں میسر ہے وہ اس کیمپ میں نہیں مل سکے گا۔ آپ کی اس محفل میں کشاں کشاں تشریف آوری قرآن سے وابستگی کا بیّن ثبوت ہے جس سے ہمیں بے حد مسرت ہوتی ہے۔ لہٰذا میں لاہور کے جملہ احباب کی طرف سے آپ سب احباب کو شکریہ اور خوش آمدید پیش کرتا ہوں۔

(۲) حسب سابق بزم طلوع اسلام لاہور کو آپ کی میزبانی کا شرف حاصل ہو رہا ہے اور اس کا نمائندہ ہونے کی جہت سے میں کنونشن کمیٹی کا صدر ہوں۔ جس طرح لاہور کا نام پاکستان میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے اسی طرح نہ معلوم لاہور کی بزم کے متعلق آپ احباب کتنے بلند تصورات رکھتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ بھرم بنائے رکھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی غریبوں ہی کی بزم ہے لیکن ایسے غریبوں کی جنہوں نے تحریک کے

سلسلے میں تحریک سے باہر کسی سے کوئی مالی مدد نہیں لی۔ اس کے تمام اخراجات انہی غریب میزبانوں نے اپنے ذمہ لئے ہیں۔ بلکہ بڑھتی ہوئی گرانی کے باوجود یہ فیصلہ کیا ہے کہ مہمانوں کے عطیات میں کوئی اضافہ نہ کیا جائے اور جو احباب اِن مہمانوں میں سے پورا عطیہ نہ دے سکیں، اُن سے نمائندہ بزمِ متعلقہ کی توثیق سے وہی قبول ہوگا جو وہ بآسانی ادا کر سکیں۔ اس سلسلے میں، میں اپنے مخلص رفقاء پر جس قدر بھی فخر کروں کم ہے۔ ان کا انفرادی تعارف، تعارفی اجلاس میں ہو چکا ہے۔ ان کا عملی تعارف آپ کو قریب قریب ہر کنونشن میں ہوتا رہتا ہے اور اب اِن تین دنوں میں بھی ہو جائے گا۔

(۳) میں اور میرے رفقاء نے امکان بھر کوشش کی ہے کہ آپ کا یہاں کا قیام حتی الامکان آرام دہ ہو۔ لیکن جیسا کہ آپ احباب کو اس کا احساس ہے ہمارے اس اجتماع میں نہ کوئی میزبان ہوتا ہے اور نہ مہمان۔ ہم سب ایک مشترکہ مقصد کے لئے باہمدگر رفیق ہیں۔ اور مخلص رفقاء میں کسی شکایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کنونشن کیمپ کے کمانڈنٹ ہمارے رفیقِ محترم شیخ سراج الحق ہیں۔ آپ کو کسی قسم کی کوئی دقت پیش آئے تو اسے ان تک پہنچا دیجئے۔ اس سلسلے میں احباب کی سہولت کے لئے پنڈال میں کنونشن کے انتظامیہ کے ارکان، اور ان کے فرائض کی ایک لسٹ بھی آویزاں کر دی گئی ہے تاکہ احباب بلا تامل استصواب کر سکیں۔ نماز کے لئے جیسا کہ اکثر احباب کے علم میں ہے مقامِ کنونشن کے بالکل قریب دو مساجد موجود ہوتے ہوئے نمازِ باجماعت کا کیمپ میں کوئی علیحدہ انتظام دانستہ نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس سے الگ فرقہ کی بنیاد پڑتی ہے۔ احباب ان مساجد میں جا کر نماز ادا فرمائیں۔

(۴) حسبِ سابق ہمارے رفیقِ محترم شیخ سراج الحق صاحب اور اُن کے گرامی قدر ہمسایہ محترم محمد یوسف صاحب نے نہایت کشادہ ظرفی سے اپنے مکانوں کے دروازے ہمارے لئے کھول دیئے ہیں جس سے ہم بہت سی پریشانیوں سے مامون ہو جاتے ہیں جو سال بسال ہمارے لئے دردِ سر کا موجب ہوتی تھیں۔ میں ان دونوں احباب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(۵) آخر میں ایک بار پھر اپنی اور اپنے احباب کی طرف سے آپ تمام احباب کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کے لئے ہمارا دیدہ و دل فرشِ راہ ہے۔

والسلام!

رپورٹ

(ناظم۔ ادارہ طلوع اسلام۔ لاہور)

رفقائے محترم! سلام ورحمت!

گیارہ سال قبل کم و بیش انہی تاریخوں میں، "پہلی طلوع اسلام کنونشن" کے نام پر دعوتِ قرآنی کا پرچم بلند کرتے ہوئے، ہم نے منظم طور پر اپنے اجتماعی سفر کا آغاز کیا تھا۔ ہماری موجودہ کنونشن اس سفر کا دسواں پڑاؤ ہے۔ یوں سمجھئے کہ ایک بار پھر ہم نے سرِ راہ رُک کر اپنے طے شدہ سفر کا جائزہ لینے، اپنی کمزوریوں کو جانچنے اور مستقبل کے لئے کچھ تعمیری منصوبے طے کرنے کی صورت پیدا کی ہے۔ آج تقریباً بیس ماہ گزرنے کے بعد ربط باہمی کی یہ سالانہ مجلس آراستہ ہوئی ہے۔ ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے میں آپ سب احباب کو اس خوشگوار موقعہ پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کی آمد سے اس فضا میں ایک بار پھر جذب و مسرت کے قہقہے سنائی دے رہے ہیں، کیف و مستی کا ایک نشاط انگیز سماں بندھ رہا ہے، شگفتہ اُمنگوں اور شاداب عزائم کی ایک نئی بساط بچھ رہی ہے اور ہم سب ایک بار پھر اس قابل ہیں کہ فکرِ قرآنی کی جس نورانی شمع کو لے کر ہم کئی سال قبل آمادہ سفر ہوئے تھے اُسے چاردانگ عالم میں پھیلانے کے لئے نئے سامان پیدا کریں، نئی تدابیر زیرِ غور لائیں اور اس طرح خدا اور اسلام کی بارگاہ میں سرخرو ہونے کے لئے کوشاں رہیں۔

آپ ہر سال کنونشن پر کس قدر ذوق و شوق اور ولولوں کے جلو میں جمع ہوتے ہیں۔ باہم مل جُل کر بہت کچھ سوچتے ہیں اور پھر اسے قراردادوں کی صورت میں آخری شکل دیتے ہیں اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے اپنے مقامات کو لوٹتے ہیں۔ یہی فیصلے ہیں جن کی تکمیل سے آپ کی منزلِ مراد آپ کے قدم لینے آگے بڑھ سکتی ہے۔ اس کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کا بھی جائزہ لیں کہ ان قراردادوں پر عمل کس حد تک ہوا ہے۔

اشاعتِ کتب

پچھلی کنونشن کے بعد اب تک ادارہ نے جو کتابیں شائع کی ہیں اُن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(۱) عربی خود سیکھئے۔　　(پہلا ایڈیشن)
(۲) جہاد۔　　(پہلا ایڈیشن)
(۳) پاکستان کا معمارِ اول۔　　(پہلا ایڈیشن)
(۴) خدا اور سرمایہ دار۔　　(پہلا۔ ارزاں اور اعلیٰ ایڈیشن)
(۵) عربی خود سیکھئے۔　　(دوسرا ایڈیشن)

دو مزید کتب 'قرآنی قوانین (پہلا ایڈیشن)، اور معراجِ انسانیت (دوسرا ایڈیشن) جن کے متعلق طلوعِ اسلام میں اعلان کیا گیا تھا وہ تاحال شائع نہیں ہو سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے محدود وسائل کی وجہ سے بہت سی لکھی ہوئی کتابیں مسودہ کی شکل میں، یا کتابت شدہ صورت میں تیار رکھی ہیں جنہیں پریس میں نہیں بھیجا جا سکا۔ ان کے علاوہ بہت سی کتابیں بالخصوص

(۱) مفہوم القرآن کا انگریزی ترجمہ،
(۲) اسلام کے متعلق ایک حقیقت کشا کتاب (انگریزی زبان میں)،
(۳) معارف القرآن کی آخری کڑی 'کتابِ آخرت'
(۴) تبویب القرآن 'جو نصف کے قریب مرتب ہو چکا ہے،

علاوہ ازیں 'معارف القرآن' کے سلسلے کی بعض ایسی کتابیں ہیں جن کا پہلا ایڈیشن عرصہ ہوا ختم ہو چکا تھا یا ختم ہو رہا ہے لیکن ادارہ اپنی تنگ دامنی سے مجبور ہے کہ اُن کے نئے ایڈیشن کے لئے کچھ اور وقت تک انتظار کیا جائے۔ اس صورتِ حال کے بنیادی وجوہ گذشتہ کنونشنوں میں شرح و بسط سے سامنے آ چکے ہیں اس لئے ان تفاصیل کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مجلہ طلوعِ اسلام کی اشاعت کو پائیدار بنیادوں پر استوار کرنے کے ساتھ ساتھ تحریک سے متعلق کتب کا سلسلہ ان کی بڑھتی ہوئی ضرورت اور اہمیت کے مطابق کس طور اشاعت پذیر ہو سکتا ہے۔ اس پر بھی کنونشن کے آئندہ اجلاس میں سنجیدہ طور پر سوچنے کی ضرورت ہے۔ اب تو یہ تحریک پاکستان سے باہر ملکوں میں بھی بہت سے قلوب کو متاثر کرتی جا رہی ہے اس لئے اور زبانوں بالخصوص انگریزی میں طلوعِ اسلام کے لٹریچر کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ مشرقی پاکستان کے لئے ہمیں بنگالی میں بھی لٹریچر دینا چاہیئے۔ مشرقی پاکستان الیوسی ایشن

نے کئی مرتبہ اس کے متعلق یاددہانی کرائی ہے۔ لیکن ہم ان تقاضوں کو ابھی تک پورا کرنے کے قابل نہیں ہو سکے۔

اس سلسلے میں مَیں سمجھتا ہوں کہ پیشگی خریداری کی اسکیم کو دوبارہ منظم اور استوار کرنے میں اگر بزمیں اور اُن کے ارکان، ادارہ کے ساتھ پورا تعاون کریں اور کم ازکم چار سو ایسے مستقل پیشگی خریدار جو یکمشت سو سو روپے دیں، بنائے جائیں تو اشاعت کتب کا مسئلہ کافی آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس طرح ہر نئی کتاب کے شائع ہونے کے ساتھ ہی کم ازکم اس کے بنیادی مصارف کی رقم ان خریداروں ہی کے ذریعہ مل جاتی ہے اور ادارہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اشاعت کے سلسلے کو تیز کر سکے۔

پمفلٹس کے متعلق صورت حال دوسری جگہ عرض کی گئی ہے۔ امید ہے کہ اشاعت کے جملہ مسائل جو تحریک کے لئے دورانِ خون کا درجہ رکھتے ہیں، انہیں آپ پیشِ نظر رکھ کر کچھ مؤثر اقدام کریں گے۔

پبلک اور خصوصی اجتماعات اور پرویز صاحب کے خطابات۔

بزم لاہور کے زیر اہتمام پبلک جلسوں اور مفکرِ قرآن کے بصیرت افروز خطابات کا سلسلہ طلوعِ اسلام کی نئی اشاعتی اسکیم پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کے باوجود حتی الوسع جاری رہا۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) ۳؍جولائی ۱۹۶۶ء .. .. (۲۵۔بی۔گلبرگ) .. .. موضوع:۔ جشنِ عیدِ میلاد النبیؐ

(۲) ۵؍ستمبر ۱۹۶۶ء .. .. (″ ″) .. .. ″ :۔ یومِ دفاعِ پاکستان

(۳) ۱۴؍جنوری ۱۹۶۷ء .. .. (″ ″) .. .. ″ :۔ جشنِ نزولِ قرآن

(۴) ۱۵؍ ″ ۱۹۶۷ء .. .. (″ ″) .. .. ″ :۔ قرآنی پاکستان کیسا ہوتا؟

(۵) ۲۳؍اپریل ۱۹۶۷ء .. .. (وائی۔ایم۔سی۔اے۔ہال) .. .. ″ :۔ اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری۔
(بسلسلہ یومِ اقبالؒ)

(۶) ۱۴؍اگست ۱۹۶۷ء .. .. (۲۵۔بی۔گلبرگ) .. .. ″ :۔ یومِ آزادی

(۷) ۲؍ستمبر ۱۹۶۷ء .. .. (″ ″) .. .. ″ :۔ خصوصی اجتماع معاونین و متفقین

(۸) ۸؍ستمبر ۱۹۶۷ء .. .. (وائی۔ایم۔سی۔اے۔ہال) .. .. ″ :۔ شفق رنگ یادوں کے چراغ
(بسلسلہ یومِ دفاعِ پاکستان)

(۹) ۱۴؍اکتوبر ۱۹۶۷ء .. .. (۲۵۔بی۔گلبرگ) .. .. ″ :۔ خصوصی خطاب۔
بسلسلہ کنونشن ۱۹۶۷ء

علاوہ بریں، ۱۲ مئی ۱۹۶۷ء کو مفکرِ قرآن نے ایجوکیشنل کانفرنس کے زیرِ اہتمام بی۔ این۔ آر سنٹر میں ایک برجستہ خطاب "اسلامک کلچر" کے موضوع پر فرمایا۔ ۱۸ ستمبر کو ۔۔۔ پاکستان کلچرل کونسل کے زیرِ اہتمام بی۔ این۔ آر سنٹر میں قائدِ اعظمؒ کی برسی پر "قائدِ اعظمؒ کا تصورِ پاکستان" پر ایک برجستہ تقریر کی۔ جسے مرتب کر کے نومبر ۱۹۶۷ء کے شمارے میں شائع کیا گیا ہے۔

پرویز صاحب کے دورے

اپنی گوناگوں اور شدید مصروفیات کے باوجود پرویز صاحب نے ساہیوال سے آمدہ دعوت کو شرفِ پذیرائی بخشا۔ چودھری عطاء اللہ صاحب (سیکرٹری مارکٹنگ کمیٹی) کی دعوت پر پرویز صاحب محترم شیخ سراج الحق صاحب کی معیت میں ۱۹ مئی کو ساہیوال تشریف لے گئے۔ پہلے انہوں نے وکلاء حضرات سے بار روم میں خطاب فرمایا جس کا عنوان "اسلام کا معاشی نظام" تھا۔ جسے بڑی دلچسپی سے سنا گیا۔ اسی روز شام کو محترم رانا عبدالحمید کے زیرِ صدارت بیادگارِ علامہ اقبالؒ ایک پبلک جلسہ میں "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" کے عنوان پر خطاب فرمایا جسے نہایت جذب و انہماک سے سنا گیا۔

علاوہ بریں، ایک مختصر دورۂ راولپنڈی کے دوران "الکوثر" (مری روڈ) میں بزمِ راولپنڈی کے ارکان نے مفکرِ قرآن کا عصرانہ پر خیر مقدم کیا۔ تیسرے پہر سے شام تک محفل رہی۔ اس دوران میں احباب کے استفسارات کے جواب میں انہوں نے وحی اور مصطلح الہام کا فرق اپنی روایتی بصیرت اور شگفتگی سے واضح فرمایا۔ اور کئی ایک مسائل پر بصیرت افروز روشنی ڈالی۔

خصوصی اجتماع نمائندگان بزم ہائے طلوعِ اسلام۔

گذشتہ کنونشن میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ مجلہ طلوعِ اسلام کی جدید اشاعتی اسکیم کا تفصیلی جائزہ لینے و آئندہ کے لئے باہم مشاورت سے لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے چھ ماہ بعد نمائندگان بزم ہائے طلوعِ اسلام کا ایک اجتماع منعقد کیا جائے۔ چنانچہ اس فیصلہ کی روشنی میں ایک اجتماع ۱۰، ۱۱ ستمبر ۱۹۶۷ء کو منعقد ہوا، جس میں کراچی، راولپنڈی، کوئٹہ، لائل پور، سرگودھا، میانوالی، ڈسکہ، بورے والا، لیہ، جلہ جیم، سید حسین، سکھوچک، کنجاہ، چک ۴۵ شمالی (سرگودھا)، پنڈ دادن خان، چنیوٹ، ملتان، مردان، گجرات، جہلم، سیالکوٹ و کیملپور سے نمائندگان اور مخصوص متفقین شریک ہوئے۔ اس اجتماع کا پہلا اجلاس ۱۰ ستمبر ۱۹۶۷ء بعد دوپہر منعقد ہوا۔ محترم پرویز صاحب نے حاضرین کو خوش آمدید کیا اور ایک مختصر خطاب میں جدید اشاعتی

مہم کے متعلق اپنے تجربات واحساسات سے آگاہ کیا۔ اُنہوں نے یہ بتلایا کہ اس اسکیم کی وجہ سے طلوعِ اسلام کی آواز دور دور ملک کے چہار اطراف میں پھیل رہی ہے اور لبیک و آفرین کی ندا ایسے ایسے گوشوں سے آرہی ہے جن کے متعلق گمان بھی نہ تھا۔ ملک کے سنجیدہ طبقہ اور دانشوروں میں مسلکِ طلوعِ اسلام بیش از بیش اور بطریقِ احسن سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے خلاف عائد کردہ الزامات کی از خود تردید ہو رہی ہے (آفتاب آمد دلیلِ آفتاب) دروغ بافیوں کا دامن تار تار ہو رہا ہے اور باطل کی غلط بیانیاں میدان چھوڑ کر بھاگ رہی ہیں۔ حق بے نقاب اور واشگاف نظر آنے لگا ہے۔ لوگ جوق در جوق طلوعِ اسلام کے ہم خیال اور متفقین بن رہے ہیں۔ مسلکِ طلوعِ اسلام کے متعلق ملک بھر میں ایک مسرت زا اور حیرت انگیز خوشگوار ماحول پیدا ہو رہا ہے۔ اور قارئین مجلہ کا حلقہ بڑی سرعت سے پھیل رہا ہے۔ اس اسکیم کے اثرات ونتائج پر انہوں نے بے حد مسرت واطمینان کا اظہار فرمایا۔ اور نمائندگان واراکین بزمہائے طلوعِ اسلام کی کوششوں کا اعتراف کیا۔

اس کے بعد ناظمِ ادارہ نے استقبالیہ پیش کیا جس میں اختصار کے ساتھ طلوعِ اسلام کی جدید اشاعتی مہم کی تفصیلات پیش کیں اور اُن اراکین لاہور کو جنہوں نے اس اشاعتی اسکیم کو کامیابی سے چلانے میں انتھک اور شبانہ روز کام کیا، تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور ہدیہ تبریک پیش کیا۔

میاں ظفر احسن محمود صاحب نے جو جدید اشاعتی مہم کے کنوینر تھے، ایک مفصل رپورٹ پیش اجلاس کی جس کا ایک ایک لفظ ان کے فکر کی بلندی، احساسات کی گہرائی، وسعتِ نگاہ اور قرآنی تحریک کے ساتھ ان کی قلبی وابستگی اور والہانہ شیفتگی کا آئینہ دار تھا۔ انہوں نے تفصیل سے واضح کیا کہ نامساعد حالات اور کٹھن مشکلات کے باوجود بزمہائے طلوعِ اسلام نے یقین محکم، عملِ پیہم اور مستقل ایثار کی بدولت اس اسکیم کو کامیاب بنا دیا ہے۔ منصوبہ کے عملی نتائج کو انہوں نے انتہائی اطمینان بخش اور امید پرور قرار دیتے ہوئے اس کے فروغ کے لئے مزید تجاویز پیش کیں۔ ان تجاویز کے بعد جو قرار داد پیش بااتفاق رائے منظور ہوئیں۔ اُن میں سب سے اہم طلوعِ اسلام کی تقی اشاعتی اسکیم کے متعلق تھی جس کے الفاظ یہ تھے:-

> نمائندگان بزمہائے طلوعِ اسلام کا یہ اجتماع باتفاق رائے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ رسالہ طلوعِ اسلام کی اشاعت کی موجودہ اسکیم کو جو ایک سال کے عرصہ کے لئے تھی، آئندہ کنونشن تک بڑھا دیا جائے۔ تمام بزمیں حسبِ سابق رسالہ کی تقسیم جاری رکھیں گی۔ اور قیمت کی ادائیگی اسی طرح کرتی رہیں گی۔

اس کے علاوہ پمفلٹ اسکیم کے اجراء کا بھی فیصلہ ہوا۔ اور اس کے ابتدائی اخراجات اور سالانہ خسارہ پورا

کرنے کے لئے احباب نے انفرادی عطیات کی پیش کش کی۔

یہ اہم اجلاس تقریباً رات کے ایک بجے محترم پرویز صاحب کے مختصر سے خطاب پر ختم ہوا۔

لاہور میں پرویز صاحب کا درس قرآن کریم

ادارہ کے مرکز ۲۵۔بی۔ گلبرگ میں ہر اتوار کی صبح کو پرویز صاحب کے درس قرآن کریم کا سلسلہ تقریباً آٹھ سال سے کامیابی سے جاری ہے اور اب آخری پارہ تک پہنچ چکا ہے۔ اس پاکیزہ مجلس میں لاہور اور بیرون لاہور سے فکر قرآنی کے شیدائی بھاری تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ درس میں قرآنی تعلیمات کے مختلف گوشوں سے نقاب اٹھتے رہتے ہیں اور آخری پارے میں تو تمام قرآنی تعلیم کا نچوڑ طمر کوز ہو کر سامنے آرہا ہے۔ جسے سن کر سامعین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ قرآنی تعلیم کا یہ حقیقت کشا اور دل افروز سرمایہ بذریعہ ٹیپ محفوظ کیا جا رہا ہے اور یہ ٹیپ اُن بزموں کو باقاعدگی سے ارسال ہوتے ہیں جو اپنے ہاں اس درس کو بذریعہ ٹیپ ریکارڈر سنانے کا انتظام کر چکی ہیں۔ ان میں کراچی، لائلپور، راولپنڈی، ملتان، کوئٹہ، لیہ، سرگودھا، سیدپین، وبریڈ فورڈ (انگلستان) شامل ہیں۔ اس طرح درس قرآن کریم کا یہ سلسلہ پاکستان اور بیرون پاکستان میں فکر قرآنی کی روشنی کو عام کرنے کا باعث ہے اور اس سے مفکر قرآن کی آواز ملک کے دور دراز گوشوں کے علاوہ بیرون پاکستان کے شیدایان فکر قرآنی تک پہنچ رہی ہے۔

بزم کراچی اس موقعہ پر میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ بزم کراچی کے جواں ہمت نمائندہ محترم محمد اسلام صاحب اور ان کے رفقائے کارکوان کے حسن عمل، جہد مسلسل اور سعی پیہم پر جو تحریک قرآنی کے لئے باعث فخر اور موجب ستائش ہے، خراج تحسین پیش کروں۔ اس بزم سے کارکردگی کی رپورٹیں نامساعد حالات کے باوجود ہفتہ وار نہایت باقاعدگی سے آتی رہی ہیں۔

بزم لاہور تحریک طلوع اسلام کے فروغ کے لئے مرکزی مقام پر ہونے کے لحاظ سے جو ذمہ داریاں اس بزم نے لے رکھی ہیں، اُن سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اراکین بزم انہماک سے طلوع اسلام اور اس سے متعلق لٹریچر کی اشاعت کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں پوری جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے متعدد احباب محترم پرویز صاحب کے ہفتہ وار درس قرآن کے انتظام اور تحریک کے پیام کو لاہور اور اس کے مضافات میں عام کرنے کے علاوہ ادارہ کے روز افزوں کام اور نظم ونسق میں زیادہ سے زیادہ ہاتھ بٹانے

کے لئے اپنا وقت رضاکارانہ طور پر دیتے رہتے ہیں۔ گزشتہ کنونشن میں اس بزم نے رسالہ کی نئی اشاعتی اسکیم کے تحت ایک ہزار پرچوں کی جو ذمہ داری لی تھی اسے وہ گزشتہ ۲۰ ماہ سے برابر پورا کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں بزم کو تقریباً سوا چھ سو روپیہ ہر ماہ ادا کرنا پڑتا ہے اور یہ تمام رسالے ادارہ کی وساطت سے قیمتاً یا بلاقیمت بھیجے جاتے ہیں لیکن بزم اس آمدنی میں سے خود کچھ نہیں لیتی۔ اس بزم نے اب بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ برضا و رغبت اسے بغیر کسی کمی کے آئندہ سال بھی اسی طرح جاری رکھے گی۔

نئی بزمیں

مقامِ مسرت ہے کہ سال گزشتہ میں بزمہائے طلوعِ اسلام میں چند ایک نئی بزموں کا اضافہ ہوا ہے۔ ان میں سے جلال پور جٹاں اور گھوٹکی کی حال ہی میں توثیق کی گئی ہے۔ بزمِ جلالپور جٹاں کے روحِ رواں محترم ڈاکٹر محمد اکرم صاحب ہیں اور گھوٹکی میں قرآنی فکر کے دیرینہ شیدائی محترم محمد حسین صاحب (پنشنر) ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے مقامی رفقاء چوہدری نذیر احمد و چودہری محمد علی صاحب بھی اس علاقہ میں تحریک کے فروغ میں پیش پیش ہیں۔

طلوعِ اسلام کی نئی اشاعتی اسکیم

طلوعِ اسلام کی نئی اشاعتی اسکیم کے شاندار نتائج کا تذکرہ اجتماع نمائندگان اور بزم لاہور سے متعلق رپورٹ میں بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ چونکہ تحریک کے پاکستان اور بیرونِ پاکستان پھیلانے کے لئے تحریک کے آرگن کی زیادہ سے زیادہ ممکن اشاعت سب سے اہم چیز ہے۔ اس لئے بزموں کے ارکان کو اس اسکیم کی توسیع پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس اسکیم کے کنوینر محترم ظفر احسن محمود صاحب بعد کے اجلاس میں اس سکیم کے مختلف پہلوؤں پر بالتفصیل روشنی ڈالیں گے۔ میں سردست آپ کی اطلاع کے لئے جنوری ۱۹۶۶ء سے اکتوبر ۱۹۶۷ء تک مجلہ طلوعِ اسلام کی اشاعت کے آمد و خرچ کا گوشوارہ پیش کرتا ہوں۔ (گوشوارہ پڑھ کر سنا دیا گیا۔)

اس کے ساتھ ہی ایک گوشوارہ تخمینۂ آمد و خرچ مرتب کر کے بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ (اسے بھی پڑھ کر سنا دیا گیا۔)

پمفلٹ اسکیم

جسے اجلاس نمائندگان منعقدہ دسمبر ۱۹۶۶ء میں تشکیل دی گئی تھی مزید توجہ کی مستحق ہے۔ تجربہ نے یہ بتلایا ہے کہ پمفلٹس جس تعداد میں شائع کئے جاتے ہیں، اکثر بزمیں انہیں مناسب

تعداد میں حاصل نہیں کرتیں۔ امید ہے کہ مندوبین اس مسئلہ پر کوئی ایسا لائحہ عمل طے کر سکیں گے جس سے پمفلٹ اسکیم خود مکتفی ہو سکے۔ اس سلسلہ میں نئے پمفلٹس کے متعلق کچھ اعداد و شمار مرتب کئے گئے ہیں جو بعد کے اجلاس میں پیش کئے جائیں گے۔

مشاورتی کمیٹی

اس مرتبہ تجویز کیا گیا ہے کہ ادارہ کو ضروری مسائل میں اپنے مشوروں سے مستفید کرنے کے لئے، اہم بزموں کے نمائندگان پر مشتمل ایک مشاورتی کمیٹی کی تشکیل کی جائے۔ تفصیل اس کی قرارداد سے متعلق اجلاس میں پیش کی جائے گی۔

والسلام!

(مرزا محمد خلیل ۔ ناظم ادارہ طلوع اسلام)

ایک گراں مایہ پیشکش

قرآن کریم کا انداز یہ ہے کہ اس میں —— (۱) کچھ قوانین ہیں جو متعین شکل میں دیئے گئے ہیں —— (۲) کچھ اصول ہیں جو ہمیشہ غیر متبدل رہتے ہیں لیکن ان کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ملت اسلامیہ اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین خود مرتب کرتی ہے۔ اور —— (۳) کچھ مستقل اقدار ہیں جنہیں اسلامی مملکت اپنے آئین کی بنیاد قرار دیتی ہے۔

یہ قوانین کیا ہیں؟ —— یہ اصول کونسے ہیں؟ —— یہ اقدار کس قسم کی ہیں؟

یہ وہ سوالات ہیں جو آج ہر قلب سے ابھرتے ہیں، لیکن ان کا جواب کہیں سے نہیں ملتا۔

اِن کا جواب ملیگا پرویز صاحب کی تازہ ترین تصنیف

قرآنی قوانین

سے جو اس موضوع پر انکے تدبر فی القرآن کا ماحصل ہے۔ اور یہ "ماحصل" کیطرح ضخامت میں کم لیکن افادیت میں بیش از بیش ہے

یہ کتاب —— (۱) ہر مسلمان کے ہاتھ میں —— (۲) ہر قانون دان (وکیل) کی لائبریری میں —— (۳) ہر جج کے میز پر۔ اور —— (۴) کارپردازِ مملکت کے شیلف میں —— **ہونی چاہیئے!**

عمدہ سفید کاغذ، خوبصورت جلد ۔ قیمت: **تین روپے**

فرمائشوں کی تعمیل ان کے موصول ہونے کی ترتیب کے مطابق کی جائے گی!

ناظم ۔ ادارۂ طلوع اسلام ۔ ۲۵۔ بی گلبرگ لاہور

رپورٹ

(سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی)

برادرانِ محترم!

مجھے اس کا احساس ہے کہ سب سے اہم سوال جسے آپ اس کنونشن میں پوچھنا چاہتے ہوں گے، وہ یقیناً طلوعِ اسلام کے مجوزہ کالج کے متعلق ہوگا۔ اِس کالج کی اہمیت کا جس قدر احساس آپ احباب کو ہے اُس سے کہیں زیادہ احساس ہمیں خود ہے۔ اس لئے کہ ہم پر اس سلسلہ میں دُہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس لئے ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اِس کے خیال سے غافل نہیں رہے۔

کالج کی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے اہم اور بنیادی سوال زمین حاصل کرنے کا ہے۔ اس لئے کہ جب تک بنیاد نہ ہو، اس پر عمارت کیا استوار ہوگی۔ زمین کے حصول کے لئے مختلف سمتوں میں ہماری کوششیں جاری رہیں۔ اگر ایک طرف سے مایوسی ہوئی تو دوسری جانب سے اُمید کی کرن سامنے آگئی۔ یہ وقت اسی بیم و رجا میں گزرا۔ امید اب بھی ہمارے سامنے ہے لیکن جب تک وہ یقین سے بدل نہ جائے، اُس کے متعلق کسی قسم کا اعلان قبل از وقت ہوگا۔ ہماری کوششیں برابر جاری ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں آخری فیصلہ تک پہنچنے میں اب زیادہ وقت نہیں لگے گا۔

زمین کے معاملہ میں عدمِ یقین کی وجہ سے عمارت کے لئے فنڈ اکٹھا کرنے کی مہم بھی سُست رہی۔ یہ اسکا فطری نتیجہ تھا۔ اکثر اطراف سے اس قسم کے وعدے ہوتے تھے کہ جب آپ تعمیر شروع کر دیں گے تو پھر ہم اُس میں ضرور حصہ لیں گے۔ اس لئے ہم نے چاہا کہ زمین کے مسئلہ میں یکسوئی کے بعد ہی تعمیر فنڈ کے لئے دامن پھیلایا جائے۔ اس وقت تک ہمارے پاس -/۲۳,۵۰۱ روپے وصول ہو چکے ہیں۔ جن میں سے مبلغ -/۱۴۹۰ روپے سٹیشنری اور بروشر چھاپنے پر صرف ہوئے۔ بقایا رقم بنک میں بحفاظت جمع ہے۔

بعض احباب کی طرف سے یہ تجویز بھی موصول ہوئی کہ سردست کرایہ کی عمارت میں کلاسز کھول دی جائیں انہوں نے بہت سے پرائیویٹ تعلیمی اداروں کی مثالیں دیں کہ کس طرح انہوں نے دو چار کرایہ کے کمروں سے ابتدا کی اور چند سالوں میں اُن کا سلسلہ پھیل گیا۔ ہم نے اس تجویز پر بھی غور کیا ہے لیکن اسے ممکن العمل نہیں پایا۔ جن پرائیویٹ اداروں کی مثالیں دی گئی ہیں وہ کاروباری خطوط پر قائم کئے گئے تھے اور قائم کئے جاتے ہیں اس لئے اُن کے ہاں نہ طلبا کی کمی ہوتی ہے اور نہ ہی اُن طلبا سے پیسے بٹورنے کی ہوس میں کمی۔ لیکن ہمارے سامنے تو مقصد ہی کچھ اور ہے۔ یہاں ابتداً ایک محدود تعداد میں منتخب طلبا آئیں گے۔ اور ہمارا مقصد انہیں دولت کمانے کا ذریعہ بنانا نہیں ہوگا۔ جتنا فنڈ ہمارے پاس موجود ہے وہ چند مہینوں کے اخراجات کے لئے بھی کافی نہیں ہوگا۔ اس لئے ہم ان خطوط پر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتے جو ہمیں آخر الامر کامیابی تک نہ پہنچا سکے۔

ایک دو گوشوں سے اس قسم کے مخلص جذبات سے لبریز آوازیں بھی اٹھیں کہ جب مسلمانوں کا کوئی کالج نہ تھا تو سر شفیع مرحوم جیسے طالب علموں نے مسجد کی صفوں پر بیٹھ کر تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ ہم بھی درختوں کے نیچے چٹائیاں کیوں نہ بچھا لیں۔ ہمیں ان جذبات کا احترام ہے لیکن ہمارے موجودہ حالات اُس زمانہ سے یکسر مختلف ہیں جس کی مثال سامنے لائی گئی ہے۔ اُس زمانے میں مسلمانوں کی اپنی کوئی اعلیٰ درسگاہ تھی ہی نہیں لیکن آج تو ایک شہر لاہور میں ہی کم و بیش تیس کالج ہوں گے۔ ہمیں اُن کے مقابلہ میں اپنے ہاں دلکشی پیدا کرنا ہے اور اس کے لئے بہر حال اُس سر و سامان کی ضرورت لاینفک ہے جن سے آج کی درسگاہیں ترتیب پاتی ہیں۔

میں بہر حال آپ احباب کو مطمئن کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اس سلسلہ میں پوری پوری کوشش کر رہے ہیں جونہی پہلا مرحلہ طے ہوتا ہے اس کے متعلق اعلان کر دیا جائے گا۔ پھر آپ احباب اپنے اپنے حلقہ میں فنڈ جمع کرنے کی مہم تیز تر کر دیجئے گا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کی اِن کوششوں کو ثمر بار کرے گا۔ اور جو کچھ دیکھنے کے لئے ہماری نگاہیں بیتاب ہیں، وہ حقیقت منتظر لباس مجاز میں ہمارے سامنے آ کر رہے گی۔

(والسلام)
(شیخ سراج الحق۔ سیکرٹری قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی)

ظفر احسن محمود صاحب
ایڈووکیٹ لاہور

پرویز و فکرِ پرویز

(طلوعِ اسلام کنونشن کے ۱۲ ر نومبر (اتوار) صبح کے اجلاس میں، جو بہ صدارت محترم خواجہ شہاب الدین صاحب، مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات منعقد ہوا، ذیل کا مقالہ پڑھا گیا۔)

صدرِ گرامی قدر! خواتین و حضرات!

موضوعِ خطاب اس وقت ہے —— پرویزؒ اور اُس کا پیام —— اگرچہ وہ دَور بڑی حد تک گزر چکا جب پرویزؒ ایک متنازعہ فیہ شخصیت تھے اور جب اُن کے پیام پر تشکیک و ابہام کے پردے لٹکا لٹکا کر سوادِ اعظم کو اس سے دور رکھا جاتا تھا۔ وہ دَور گیا جب لوگ تصنیفاتِ پرویزؒ کو ہاتھ لگانے سے ڈرتے تھے کہ مولوی نے انہیں ڈرا رکھا تھا کہ ان کے چھُو جانے سے تمہارے ایمان کی چڑیا اُڑ جائے گی۔ آفتابِ حقیقت نے اس بے بنیاد پراپیگنڈہ کی کہر کو دھواں بنا کر اڑا دیا ہے۔ اور حق ظاہر و مشہود ہو کر زمانے کے سامنے آگیا ہے۔ اور صاحبانِ من! جب حق آجاتا ہے تو باطل از خود مٹ جاتا ہے کیونکہ ناکامی اور نامرادی تو باطل کے خمیر میں شامل ہوتی ہے۔ پرویزؒ اور طلوعِ اسلام کا نام آج ہر کہ ومہ کی زبان پر ہے اور یہ نام اب وطنِ عزیز کی حدود سے ماورا بھی پھیل چکے ہیں، چونکہ پرویزؒ کا پیام عالمگیر انسانیت کی فوز و فلاح کا پیام ہے۔ اس لئے وہ مقامیت کی تنگ نائے میں مقیّد نہیں۔ وہ آہستہ آہستہ جہانگیر اور جہاں تاب ہوتا جا رہا ہے۔

اگرچہ پیامِ پرویزؒ اُن کی بے شمار کتابوں اور مجلّہ طلوعِ اسلام کے ہزارہا صفحات میں تشریحاً اور تفصیلاً پھیلا ہوا ہے، تاہم اکثر و بیشتر اسی کے بارہ میں سوالات پوچھے جاتے ہیں اور اس کا بنیادی محرک وہ زہر آلود جھوٹا پروپیگنڈہ ہے جو بڑی شدّ و مد سے ہر منبر و محراب سے جاری و ساری رہتا ہے۔ اگرچہ اب اس دروغ بافی میں شکست خوردگی اور کھسیانہ پن کا عنصر نمایاں طور پر نظر آنے لگا ہے تاہم میں یہ اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ اس انسان دوست اور مسلمِ صادق کے متعلق شکوک و شبہات دور کر کے درست اور صحیح بات

آپ کے سامنے رکھ دوں اور حق و باطل کا فیصلہ آپ کے قلبِ سلیم پر چھوڑ دوں۔

پرویز کے کماحقہٗ تعارف کے لئے ہمیں برصغیر ہندوپاک کے مسلمانوں کی تاریخ میں قریب ایک صدی پیچھے جھانکنا پڑتا ہے۔ پرویز دراصل اُسی تحریک کے صاحبِ بصیرت اور اہلِ درد رہنماؤں میں سے ہیں جس کی داغ بیل سرسیدؒ نے ڈالی اور جس کی قیادت اقبال اور جناح علیہما الرحمتہ سے ہوتی ہوئی پرویز تک پہنچی۔ سرسیدؒ، اقبالؒ، قائداعظمؒ اور پرویز دراصل ایک ہی فکر کی مختلف کڑیاں اور ایک ہی نظریہ کے مختلف ادوار ہیں۔

یہ قصہ مسلمانوں کے اُس عبرت انگیز اور یاس پرور انحطاط سے شروع ہوتا ہے جو ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل شروع ہوا اور مسلمانانِ ہند کے خلاف ایک باقاعدہ سازش کے تحت انہیں مٹانے اور کالعدم کرنے کی ابتداء ہوئی۔ انگریز نے ہندوستان کے ساحل پر قدم جماتے ہی اس امر کا بڑی شدت اور صحت کے ساتھ اندازہ لگا لیا کہ اُسے مستقبل اور حال میں اگر کوئی قرار واقعی خطرہ لاحق تھا تو وہ غیور، آزاد منش اور جانباز ملتِ اسلامیہ سے تھا۔ مکار اور بزدل ہندو سے وہ قطعاً خائف نہ تھا۔ وہ بھانپ گیا تھا کہ ہندو کو غلامی میں رکھنا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ ہندو، صدیوں کی غلامی اور کمینہ خصلت کے ہاتھوں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے لاچار اور بے چارہ دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ عیسائیت کی دیرینہ مسلم دشمنی اور ہندو کی آتشِ انتقام دونوں کے درمیان ایک قریبی تعاون اور گہری مسلم کش سازش کی بنیاد پڑی اور مسلمانانِ برصغیر کے خلاف ایک مہم شروع ہو گئی۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے اقتصادم اور مسلمانوں کی بے طرح ناکامی نے، جو ہر لحاظ سے ہندو اور انگریز کی ملی بھگت اور کمینگی اور بدعہدی کا نمایاں نمونہ تھی، مسلمان کو کچلنے کا ایک معقول موقع انگریز اور ہندو کے ہاتھ آ گیا اور بغاوت اور سرکشی کے جھوٹے الزامات لگا کر ہر اُس فردِ مسلمان پر یلغار کر دی گئی جس میں حریت، آزادی، اور عزتِ نفس کا ذرا سا شائبہ بھی موجود پایا گیا۔ اور اسلام کے نام لیواؤں پر دائمی مسکنت، ذلت، محرومی، یاس اور خوف و افلاس کو چاروں طرف سے مسلط کر دیا گیا۔ مگر ان تمام تدبیروں اور اسکیموں کے باوجود مسلمان کے خاکستر میں شرارِ جستجو موجود رہا، اور انگریز، استعماریت اور ہندو سرمایہ داری، عاشقانِ رسولِ عربیؐ کے دلوں سے حرارتِ زندگی کو یکسر مفقود کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اِس مرحلہ پر وہ نامبارک اور مفاد پرست طبقہ سامنے آیا جو بنیادی طور پر برہمنی ذہنیت رکھتا تھا، مگر ظاہراً اسلامائیت کا لبادہ اوڑھے تھا۔ انہدامِ ملت کا جو کام غیروں سے مکمل نہ ہو سکا، وہ اس طبقہ نے اپنے ذمے لیا اور ظاہر ہے کہ انگریز اور ہندو کے اکرام و انعامات کی بارش اُس پر نازل ہونے لگی۔

یوں تو خلافتِ راشدہ کے اختتام پر بالعموم اور بنو عباسیہ کی ملوکیت کے ظہور سے بالخصوص یہ دشمنِ دین و دانش گروہ منظرِ عام پر آ گیا تھا، اور ان کی جانب سے عیسائی (PAPACY.) کے مشابہ موقف کی

تبلیغ شروع ہوگئی تھی ۔ یعنی یہ کہ اگر مسلمانوں کو خالی خولی اعتقادات اور چند بے روح رسوم کے قیام کی اجازت ہوجائے اور ان امور کی قیادت پر اس گروہ کی اجارہ داری تسلیم کرلی جائے تو انہیں اس امر سے کچھ سروکار نہ ہوگا، کہ کون بادشاہت کرتا ہے اور خلقِ خدا پر کس طرح من مانی اور مطلق العنان فرمانروائی کی جاتی ہے ۔ اس طائفہ نے بادشاہت کو ظلِ الٰہی بنا کر، بادشاہوں کے حقوقِ خداوندی (DEVINE RIGHTS OF KINGS) اُس کے سپرد کردیئے اور بادشاہ سلامت نے اُن کو مذہب اور روحانیت کا مکمل کنٹرول سونپ دیا اور اس طرح سادہ دل مسلمان چکی کے ان دو پاٹوں میں باریک سے باریک تر پسنے لگا ۔

لیکن اس طبقہ کی انتہائی مکروہ اور گھناؤنی ذہنیت برصغیر پاک و ہند میں اُس وقت عیاں ہوئی جب اُس نے عیسائی انگریز اور بُت پرست ہندو سے بھی مفاہمت میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا ۔ مسلمان کو شب و روز یہ تلقین ہونے لگی کہ علومِ حاضرہ سے اجتناب کرو ۔ دنیاوی عزت و سرفرازی چند روزہ ہے ۔ یہ مومن کے شایانِ شان نہیں ۔ یہ دنیا کافروں کے لئے ہے ۔ مسلمان کے لئے بس اُخروی زندگی اور اُس کی بادشاہت ہے ۔ جو مسلمان جس قدر ذلیل، عاجز، مفلس اور بے چارہ ہوگا، اسی قدر مقبولِ الٰہی ہوگا ۔ دنیاوی علم مقہور و مغضوب ہے ۔ اصل شے تو روحانی علوم ہیں ۔ جو خانقاہ نشینی اور جذب و سلوک سے حاصل ہوتے ہیں ۔ مسلمانوں کے تمام دکھ، تمام تکالیف، تمام ذلت، تمام محرومی، دراصل اُن کے مقربِ الٰہی ہونے کے نشان ہیں ۔ اس طرح مسلمانوں کے لشکرِ مواج اور فوجِ ظفر موج کو ورد وظائف، تعویذ دھاگا، ذکر ہو حق اور ہیچ و پوچ قسم کی خرافات میں پھنسا کر تسخیرِ دنیا اور تسخیرِ کائنات سے بے کار کردیا گیا اور کارِ جہاں انگریز اور ہندو پر چھوڑ دیا گیا ۔ ان عقاید اور نظریات نے مسلمان پر جو ہلاکت اور تباہی وارد کی وہ آج کسی بھی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں ۔

اس سیاہ بختی اور بدنصیبی میں یکسر غیر متوقع طور پر نجاتِ ملت سرسیدؒ کی صورت میں ظاہر ہوئی ۔ وہ وہ مردِ قلندر، اور بندۂ حق پرست، صحیح قرآنی فکر اور دردِ ملت میں غوطہ زن ہوا اور گوہرِ آبدار بن کر اُبھرا ۔ اس بطلِ جلیل کی دور رس نظروں نے رازِ درونِ خانہ کو بھانپ لیا ۔ وہ " انگریز، ہندو " سازش کو سمجھ گیا، اور مولانا حضرات کے بہروپ کو بھی بھانپ گیا ۔ اُس نے ملتِ اسلامیہ کو پکار کر کہا لوگو! یہ سب مکر و فریب کے پھندے ہیں اور جن راہوں کی طرف تمہیں لے کر یہ چلے ہیں یہ تمہاری دائمی ہلاکت اور مرگِ تمام کی وادیوں میں جا نکلیں گی ۔ یہ عقاید اور نظریات تمہاری بربادی کا پیغام ہیں اور جو تمدن، تصوف، شریعت، کلام تمہارے سامنے پیش کی جارہی ہے نہ قرآن ہے نہ اسوۂ رسولؐ ۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

تمدن، تصوف، شریعت، کلام　　　بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی!　　　یہ اُمت روایات میں کھو گئی!

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

سرسیدؒ کی شب و روز کی مساعیٔ جمیلہ نے پھر سے قوم میں زندگی کی نمود پیدا کی۔ وہ نونہالانِ قوم کو لے کر اُٹھے اور انہیں پھر سے صحیح نظریات اور علم و فن سے مزین کیا۔ انگریز اور ہندو اپنی سازش اور مکارانہ تدابیر کی اس شکست پر بے طرح بھنّائے اور سرسیدؒ پر آلام و آفات کے دروازے کھول دیئے گئے۔ مگر صاحبانِ من! داویلا تو وہ غور طلب ہے جو قال اللہ اور قال الرسولؐ کہنے والے عمامہ پوش منبر نشین علمائے کرام اور صوفیانِ عظام نے مچایا۔ یہ منکرِ رسالت ہے، یہ منکرِ حدیث ہے، نیچری ہے، نیا دین لے آیا ہے، ملحد ہے، کافر ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر وہ خاموش اپنے کام میں مگن رہا۔ اُس نے ہندو سے صاف صاف کہہ دیا کہ تمہارے اور ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔ تم الگ قوم ہو ہم الگ۔ ہم اور تم میں کوئی قدرِ مشترک نہیں۔ ہماری تمہاری ہمیشہ نظریاتی جنگ رہے گی۔ یہ تھی پاکستان کی خشتِ اول، اور سرسیدؒ تھا پاکستان کا معمارِ اوّل!

سرسیدؒ کے بعد ہندو ایک اور چال چلا۔ جمعیت العلمائے ہند اور دیگر نیشنلسٹ مسلمانوں کو ہندو کانگریس کے جھنڈے تلے جمع کیا گیا۔ اور ارشاد ہوا کہ ہم سب ہندوستانی ہیں۔ ہندوستان ہمارا وطن ہے۔ ہماری قومیت وطنیت سے بنتی ہے۔ ہماری قوم ہندوستانی ہے اور ہمارا نصب العین ہے انگریز سے آزادی حاصل کرنا۔ چند سعادت مند اور اہلِ نظر علماء کے سوا، تمام کا تمام گروہ پیشوایان، کانگریس میں شامل ہو گیا۔ ہندو نے تو پھر بھی کچھ حزم و احتیاط کا لحاظ قائم رکھا، مگر یہ امامانِ امت تو یہاں تک پہنچے کہ انہوں نے ملتِ اسلامیہ کے علیحدہ تشخص اور ان کی علیحدہ ہستی کو ہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا یہ گیا کہ اسلام ہرگز ایک جداگانہ قومیت کی اساس نہیں بن سکتا۔ اقوام دراصل اوطان سے بنتی ہیں۔ ہندوستان میں ایک ہی قوم بستی ہے اور وہ ہے ہندوستانی قوم۔ مختلف پیروانِ مذاہب دراصل اسی قومیت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ دین پر کبھی قومیت کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

اس مرحلہ پر ایک اور دانائے راز پیدا ہوا جس نے یہ تمام بتانِ آزری پاش پاش کر کے رکھ دیئے۔ یہ تھے حضرت علامہ اقبالؒ۔ اس "برہمن زادے" نے اعلان کیا ؎

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا!

بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

انہوں نے ببانگِ دہل کہا کہ ہمارے لئے وطن پرستی پیامِ موت ہے اور یہ نظریہ کہ وطن اساسِ قوم ہے، اقوامِ مغرب کے ہاں سے آیا ہے اور ہم پر صادق نہیں آتا۔ مسلمان کی ایک ہی قوم ہے اور وہ ہے

ملتِ اسلامیہ۔ اس ملت کی تمام تر بنیاد اسلام ہے اور یہی اس کا نقطۂ ناسک ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی!
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

اقبالؒ، نیشنلسٹ علماء کی اس ذہنیت اور روش سے ہمیشہ ملولِ خاطر رہا لیکن سب سے گہرا گھاؤ اُسے اُس وقت لگا جب مولانا حسین احمد مدنی نے بھی دیگر نیشنلسٹ علماء کی آواز میں آواز ملا کر وطن پرستی کا راگ الاپا۔ اس سے ان کے قلبِ حزیں سے ایک چیخ نکلی جو ان الفاظ میں فضائے ہند کو مرتعش کر گئی۔ ؎

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ!
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است
بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

چنانچہ اقبالؒ نے جداگانہ قومیتِ مسلمہ کا تصور دیا اور اسی کی بنیاد پر ایک علیحدہ خطۂ زمین یعنی پاکستان کا مطالبہ کیا جہاں ملتِ اسلامیہ اپنی زندگی قرآن کے ابدی قوانین کے سانچے میں ڈھال سکے۔ یہ تھا قیامِ پاکستان کا مقصود و منتہیٰ۔ حضرت علامہؒ اپنی قوم سے مخاطب ہوتے اور پکارا ؎

بیا تا کارِ ایں امت بسازیم — قمارِ زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجدِ شہر — کہ دل در سینۂ مُلّا گدازیم

اس رزم آرائی اور معرکۂ دین و وطن میں جو سرفروش اور جانباز سب سے پہلے صف آرا ہوئے اُن میں ایک طائفہ نوجوانانِ ملت کا تھا۔ پرویز ان کے سرخیل اور سرفہرست نظر آتے ہیں۔ اُس دور کے عینی شاہد اور اس عہد کی نگارشات اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ پرویز صاحب اولین پاکستانیوں میں سے تھے۔ اور تحریکِ پاکستان کے السّابقون الاوّلون میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

حضرت علامہؒ نے جب علَم تحریک پاکستان قائداعظمؒ کے ہاتھ میں دیا تو پرویز ان کے دستِ راست کی حیثیت سے ان کے ہمرکاب تھے۔ حصولِ پاکستان کی جنگ دوگونہ تھی۔ ایک طرف استعمار پرست انگریز اور ہندو سرمایہ دار صف آرا تھے تو دوسری طرف نیشنلسٹ علماء کا جمِ غفیر ان کے دوش بدوش نبرد آزما تھا۔ جو فتاویٰ، الزامات، بہتان حضرت قائداعظمؒ پر اس طبقہ کی طرف سے عاید ہوتے وہ کل کی بات ہے اور ہم سب کو اچھی طرح یاد ہیں۔ اس چومکھی لڑائی میں ایک طرف قائداعظمؒ نے انگریز اور ہندو کی سازشوں، اور ریشہ دوانیوں کے خلاف مورچہ سنبھالا اور دوسری جانب مفکرِ قرآن پرویز صاحب نے ان نام نہاد امامانِ دین کو للکارا۔ ان دونوں کی یہ رفاقت قائداعظمؒ کی زندگی کے آخری سانس تک قائم رہی۔

قیاس غالب تو یہ تھا کہ پاکستان کے حصول کے بعد مقابلہ صرف اُن لوگوں سے پڑے گا جو کمیونزم کے حامی تھے یا جن کا ایمان SECULAR STATE پر تھا۔ اور یہ مقابلہ کچھ ایسا مشکل نہ تھا مگر طرفہ تماشہ دیکھئے کہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی جو لوگ اس نظریہ کے خلاف مصروفِ پیکار ہوتے اور آج تک ہیں، وہ یہی قال اللہ اور قال الرسول کہنے والا گروہ ہے۔ پاکستان بننے کے بعد اُن لوگوں کی جنگ تو ختم ہوگئی جو محض ایک آزاد مملکت کے حصول کی خاطر جدوجہد کر رہے تھے۔ مگر پرویز اور اُس کے رفقاء کا سفر تو اُس وقت تک جاری و ساری ہے جب تک یہاں قرآن کے غیر متبدل اور ابدی قوانین کی حکمرانی نافذ نہ ہو جائے۔ ان لوگوں کے نزدیک پاکستان کا حصول شرطِ اولین ضرور تھا۔ لیکن یہ ایک (MEANS TO AN END) تھا اور مقصود بالذات نہ تھا۔ چنانچہ یہ لوگ آج بھی اُسی جذب و شوق اور اُسی عزمِ صمیم کے ساتھ جدوجہد میں مصروف ہیں۔

صاحبانِ من! یہاں تک تو ہوا تعارفِ پرویز۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پیامِ پرویز یعنی مسلکِ طلوعِ اسلام کیا ہے جس کے خلاف اس قدر شور و غوغا بپا ہے اور جس کی وجہ سے حامیانِ دینِ متین کا ایک غولِ بیابانی اس مردِ حق کے درپئے آزار ہے۔

پرویز کا اصولی موقف یہ ہے کہ اسلام مذہب نہیں، دین ہے۔ دین سے مراد ہے مکمل ضابطۂ حیات اور آئینِ زندگی۔ یعنی ایک ایسی (ISM) جو زندگی کے تمام گوشوں سیاسی، معاشی، معاشرتی، تمدنی، اور عمرانی وغیرہ پر محیط ہو اور ہر معاملہ میں ایک مخصوص نظریہ پیش کرنے پر قادر۔۔۔ چنانچہ اُن کا دعوےٰ ہے کہ اسلام ایک ایسی مکمل ترین اور ارفع ترین (IDEOLOGY) پیش کرتا ہے جس میں بنی نوعِ انسان کی حتمی اور قطعی نجات اور فلاح موجود ہے۔ باقی تمام (IDEOLOGIES OF LIFE) سفرِ زندگی کے مختلف سَراب ہیں۔ جو (TRIAL AND ERROR) کی وادیوں میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہیں۔

دوسری طرف مذہب ہے جو نام ہے چند اعتقادات اور چند رسومات کا۔ مذہب' دراصل خدا اور بندے کے ایک پرائیویٹ تعلق کا نام ہے' جس میں بندہ خدا کو راضی کرنے کے لئے پوجا پاٹ، گیان دھیان، جنتر منتر، ورد درود وغیرہ کا اہتمام کرتا ہے اور بالآخر ان طریقوں سے بزعمِ خویش رضائے الٰہی میں شریک ہو جاتا ہے۔ یعنی خدا کو اپنی مرضی کے تابع کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس ایک مدعی دین خدا کی دی ہوئی اقدار اور قوانین کو اپنی تمام تر زندگی پر وارد اور جاری و ساری کرتا ہے اور اپنے آپ کو کلیتہً ان قوانین کا پابند اور مقید بنا لیتا ہے۔ اُس کی زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی نقطہ اِن آئین و قواعد سے باہر نہیں جاتا۔ بالفاظِ دیگر وہ خود کو قوانینِ الٰہی کا مطیع اور فرمانبردار بنا لیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اُسے اس دنیا کی سرفرازی اور عظمت حاصل ہوتی ہے۔ ہر طرف کامیابیاں اور کامرانیاں اُس کے قدم چومتی ہیں۔ وہ دنیا میں خلافتِ جہاں اور امامتِ عالمگیر کا حقدار بنتا ہے۔ اور اس کی زندگی ہر قسم کے حُزن و ملال اور خوف و خطرے مبرا ہو جاتی ہے۔ اور بعد کی زندگی بھی خوشگواریوں کے جھولے جھولتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ دین کا تعلق معاشرہ سے ہے اور مذہب کا ایک فرد کی داخلی زندگی سے۔ دین کا احیاء اور اُس پر عمل صرف اپنی آزاد مملکت میں ممکن ہے۔ اس کے برعکس' مذہب پر ہر حکومت کے زیرِ سایہ عاطفت عمل پیرا ہوا جا سکتا ہے۔

صاحبانِ من! یہ ہے تعلق پرویز صاحب کے نزدیک دینِ اسلام اور وطنِ عزیز پاکستان کا۔ اس مؤقف کے لئے پرویز کے پاس سند کتابِ الٰہی ہے اور اسی طریق پر وہ مسلسل چلے جا رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ صحیح اور غلط کا معیار قرآنِ حکیم ہے جو اپنی اصلی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے جس میں ایک حرف ایک نقطہ تک کی تبدیلی و تحریف نہیں ہوتی اور نہ قیامت تک ہوگی۔ کیونکہ اس کتاب کی حفاظت کی ضمانت اُس بزرگ و برتر خدا نے دی ہے جو احکم الحاکمین اور قادرِ مطلق ہے۔

پرویز صاحب کے نزدیک اسلامی مملکت کا تصور اجمالاً تین اہم گوشوں پر مشتمل ہے۔

(۱) اسلامی مملکت میں اقتدارِ اعلیٰ خدا کی ذات کے لئے ہے۔ اس مملکت میں کوئی حاکم و محکوم نہیں ہوگا۔ حکمرانی صرف خدا کی کتاب یعنی قرآن مجید کے احکام و قوانین کی ہوگی جو ابدی، غیر متبدل اور تغیر ناآشنا ہیں۔ اس کتابِ وحی میں معدودے چند متعین قوانین کو چھوڑ کر بنیادی اصول اور مستقل اقدار دی گئی ہیں جن کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے وقت اور زمانے کے تقاضوں کے مطابق جزئی قوانین خود مرتب کئے جا سکتے ہیں۔ اسے شریعت کہا جاتا ہے۔

(۲) — اسلامی مملکت میں' اولوالامر' یعنی صاحبانِ اختیار کی ذمہ داری اور فرضِ منصبی ہے کہ وہ افرادِ

معاشرہ کی تمام ضروریاتِ زندگی بطریقِ احسن بہم پہنچائیں۔ افرادِ معاشرہ کے خورد و نوش، لباس و پوشاک، اور جائے رہائش وغیرہ کی ذمہ داری کے علاوہ یہ بھی اس مملکت کے سربراہ یا صاحبانِ اختیار و حکم پر لازم ہے کہ ہر فرد کی ذہنی اور طبعی نشو و نما مکمل طور پر اور بلا تمیز و حدود کی جائے۔ مختصراً یہ کہ اس مملکت میں کسی قسم کی احتیاج کا وجود نہیں رہنا چاہیئے۔ سہ

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس
نقطۂ شرعِ مبین این است و بس

(۳) اسلامی مملکت میں مذہبی پیشوائیت اور دینی اجارہ داری کا کوئی گروہ نہیں ہو سکتا۔ فیصلے قوانینِ قرآنی کے مطابق ہوں گے اور اگر کسی کو ان پر اعتراض ہو تو وہ بڑی عدالت میں مرافعہ کر سکتا ہے۔ اگر حکومتِ وقت کے کسی فیصلہ کے متعلق یہ سوال پیدا ہو کہ وہ مطابقِ قرآن ہے یا نہیں تو اس کے فیصلہ کے لئے حکومت کی جانب سے ایک الگ عدالت یا (TRIBUNAL) قائم ہونی چاہیئے جس کا فیصلہ حکومت اور عوام دونوں پر نافذ ہوگا۔ اس کے بعد کسی فرد کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس عدالت کے فیصلہ کے بعد انفرادی طور پر یہ پرچار کرتا پھرے کہ عدالت کا فیصلہ شریعت کے خلاف ہے، اور یوں عوام کو مملکت کیخلاف اکساتا پھرے۔

ظاہر ہے کہ یہ تینوں شقیں ایسی ہیں جو مفاد پرست طبقہ اور مذہبی پیشوائیت کے لئے زہر ہلاہل ہیں۔ اور وہ امکان بھران کی مخالفت کرتے ہیں۔ شریعت کی تعریف اُن کے نزدیک وہ مجموعہ قوانین ہے جو کسی سابقہ مسلمانوں کی حکومت میں نافذ تھے۔ اسے وہ اتباعِ سلف الصالحین کہتے ہیں اور اس سے ذرا سے انحراف کو کفر و ارتداد سے تعبیر کرتے ہیں۔ پرویز کہتے ہیں کہ یہ نظریہ یکسر غلط ہے۔ قرآن مجید ہمارے پاس موجود ہے اور علمِ انسانی مقابلتہً بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ حالاتِ زمانہ بدل چکے ہیں، وقت کے تقاضے بدل چکے ہیں، اس لئے اندھی تقلید سے ہمارے مسائلِ حیات حل نہیں ہو سکتے۔ سابقہ قوانین میں سے جو موجودہ حالات کے پیشِ نظر قابلِ عمل ہیں وہ نافذ العمل رہیں۔ جو ایسے نہ ہوں ان کی جگہ قرآن کریم کی حدود کے اندر رہتے ہوئے نئے قوانین مرتب کر لئے جائیں۔ مذہبی پیشوائیت اُس نظامِ سرمایہ داری کے ساتھ چپکی ہوئی ہے جو مسلمانوں کے دورِ ملوکیت میں وضع و اختیار کیا گیا تھا اور چونکہ اُس دور کی فقہ کو ناقابلِ ترمیم و تنسیخ بنا دیا گیا ہے اس لئے اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ نظامِ سرمایہ داری کا دور دورہ رہتی دنیا تک قائم رہے۔

مذہبی پیشوائیت اور طلوعِ اسلام کے مسلک کی اس نزاع میں پرویز صاحب قرآن سے دلیل و

برہان لاتے ہیں، مگر مولوی صاحبان کے پاس اُس کا جواب نہیں ہوتا اور وہ وضعی روایات سے اپنے موقف کی تائید لاتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ کہاں قرآنِ کریم کا عصائے کلیمی اور کہاں ان ساحرین کی نگ فریب رسّیاں! ـــ اس کے بعد ملّائیت کی زنبیل میں ایک ہی حربہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا جائے اور فریقِ مخالف کو بدنام کیا جائے۔ ایک کونے سے آواز آتی ہے طلوعِ اسلام ایک نیا مذہبی فرقہ ہے۔ پرویز نے پرویزی مذہب ایجاد کیا ہے۔ پرویز تین نمازیں اور تو روزے قرار دیتا ہے پرویز اردو میں نماز پڑھانے کے لئے تلقین کرتا ہے۔ وہ منکرِ حدیث ہے، منکرِ رسالت ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن حاضرینِ گرامی! یہ سب یکسر جھوٹ ہے، بہتان ہے، افترا ہے ــ پرویز ان میں سے ایک بات بھی نہیں کہتا۔ کیا یہ ظلم کی انتہا نہیں کہ جس شخص کی تعلیمات اور دعاوی کلیتہً ضابطۂ تحریر میں آ چکے ہیں اور یہ تحریر دو درجن سے زائد ضخیم کتابوں کی شکل میں موجود ہے، وہ یہ چیلنج کرے کہ میرے کرمفرما! مجھ پر جو یہ بہتان باندھ رہے ہو، کہیں میری کسی تحریر میں سے ایسا نکال کر دکھاؤ تو جواب ملتا ہے کہ تحریروں میں تو آپ ایسا لکھتے نہیں لیکن کہتے ضرور ہیں!

پرویز ہزار بار اعلان کر چکے ہیں اور آج میں اس بھرے مجمع میں اعلان کرتا ہوں کہ وہ نہ تین نمازیں کہتے ہیں، نہ تو روزے۔ اُردو نماز کی مخالفت کرنے میں وہ پیش پیش رہتے۔ وہ منکرِ حدیث نہیں ـ منکرِ رسالت نہیں، بلکہ انسانیت کے اُس محسنِ اعظم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عاشق و شیدا ہیں۔ اور اپنی جان و مال اور اپنے خون کا ایک ایک قطرہ اُن پر نثار کرنا اپنی سعادت اور خوش بختی سمجھتے ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ اگر رسولِ اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی ضمناً بھی کسی کی زبان پر آ جائے تو پرویز کی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو کر چھلکنے لگ جاتے ہیں۔ اُن کی ضخیم کتاب جو قریب ۹۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور جس کا نام ہی معراجِ انسانیت ہے، سیرت نبویؐ پر ایک بے مثال تصنیف ہے ـ کم از کم منکرِ حدیث کا فتوے لگانے والے اس کتاب ہی کو کھول کر دیکھ لیتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اُس کتاب کی لوح پر کیا عبارت درج ہے۔ سنیئے! وہاں لکھا ہے ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفےٰ او را بہا است
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است

خواتین و حضرات! میں پوچھتا ہوں۔ کیا ایسا کہنے والا انسان کبھی منکرِ رسالت ہو سکتا ہے؟

پرویز تو حضورؐ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ عشق و مستی میں اُس مقام پر چلے گئے ہیں کہ ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است
رحمۃ للعالمینی انتہا است

ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی حدیث یا تاریخ کے صحیح ہونے کا معیار پرویز کے نزدیک یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کے خلاف نہ جاتی ہو۔ پرویز صاحب کسی ایسی حدیث یا روایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے جو قرآن سے متصادم ہو، یا اس سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی یا صحابہ کبارؓ پر جنہیں خدا نے مومنینِ حقاً کہا ہے (کسی قسم کا طعن پڑتا ہو یا اُن کی شان میں گستاخی ہوتی ہو۔ اب اگر یہی انکارِ حدیث ہے اور انکارِ رسالت ..... تو ایسے انکار پر ہزاروں ایمان قربان کئے جا سکتے ہیں۔

پرویز کہتے ہیں کہ قرآن 'فرقہ بندی کو بہ نصِ صریح شرکِ عظیم اور گناہ کبیرہ قرار دیتا ہے اور اُس سے اجتناب کی تاکید کرتا ہے۔ اور برملا کہتا ہے کہ یہ ہمارے موقف کے سراسر منافی ہے کہ ہم کسی جہت سے اور کسی شائبہ سے بھی کوئی ایسا طریق اختیار کریں جس سے یہ شبہ ہو کہ یہ ایک الگ فرقہ ہے۔ طلوعِ اسلام فرقہ بندی اور فرقہ سازی کو خدا اور قرآن کے خلاف جنگ قرار دیتا ہے۔

اسی طرح کا ایک اور اعلان کیا جاتا ہے کہ طلوعِ اسلام دراصل ایک نقاب پوش یعنی ---
(UNDERGROUND) سیاسی جماعت ہے۔ کسی پلیٹ فارم سے پرویز کو کمیونسٹ کہا جاتا ہے۔
یہ سب بھونڈے الزامات ہیں اور ایسے لوگوں کی طرف سے عاید کئے جاتے ہیں جو نہ طلوعِ اسلام کو جانتے ہیں نہ کمیونزم کو۔ طلوعِ اسلام کا موقف یہ ہے کہ محسوس شکل میں انقلاب لانے کے لئے قلوب و اذہان میں انقلاب آنا بے حد ضروری ہے۔ ذہن و قلب کی تبدیلی کے بغیر انقلاب تو آ نہیں سکتا، فساد اور ہنگامہ آرائی البتہ ضرور ہو سکتی ہے۔ طلوعِ اسلام قرآنی تصورات کے مطابق قلب و نظر کا انقلاب چاہتا ہے۔ اور ہر قسم کے فساد اور ہنگامہ آرائی سے روکتا ہے۔ اس لئے وہ موجودہ دور کی عملی سیاست سے یکسر الگ رہتا ہے۔ باقی رہا کمیونزم کا الزام، تو پڑھے لکھے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کمیونسٹ آئیڈیالوجی کے ساتھ اگر کسی نظریۂ فکر نے کامیاب ٹکر لی ہے اور انہیں مسکت جواب دیا ہے تو وہ پرویز صاحب ہی ہیں۔ جن کو اس بارہ میں شک ہو وہ ان کے مقالات میں سے کم از کم "مادیت نے تنگ اور قرآن" اور "کمیونزم اور اسلام" دیکھ لے۔ اور ان کی مستقل تصنیف "نظامِ ربوبیت" کا مطالعہ کرلے۔

یہ طرفہ تماشہ ہے کہ مُلّا پرویز کو کمیونسٹ کہتا ہے اور کمیونسٹ کا یہ عالم ہے کہ وہ کٹر سے کٹر سرمایہ دار سے تو مصالحت کر لیتا ہے۔ مگر پرویز کے بارہ میں کہتا ہے کہ ؎

دمِ شیر میں جا بیٹھئے اے دل لیکن !

دُکھڑے ہو جئیے بھولے سے بھی پرویز کے پاس		(غالبؔ سے معذرت کے ساتھ)

صاحبِ صدر و محترم حاضرین ! یہ ہیں مفکرِ قرآن، شمعِ قرآنی کے پروانے اور میرے بابا پرویز صاحب جنہیں کافر و ملحد کہا جاتا ہے، جنہیں مطعون و مغضوب کیا جاتا ہے۔ ع

سو بہاریں اُس پہ صدقے لاکھ گُل اُس پر نثار

میری بہنو اور بھائیو ! پرویز تو وہ مغنی آتش نفس ہے جو ہم سب کے شرف و مجد کے نغمے گاتا ہے ۔ پرویز تو وہ طبیب شفیق ہے جو قرآن کریم سے ہماری بیماریوں کے دارو اور ہمارے دکھوں کی دوا دیتا ہے، پرویز تو وہ عکاس کریم ہے جو ہمارے مستور اور زنگ آلود حسن و جمال کو منور کر کے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

پرویز ہے ۔۔۔ عالمگیر انسانیت کا چارہ ساز، ہر مظلوم و بے کس کا غمگسار، ہر نوع کے ظلم و استبداد کے لئے برقِ قہر اور چمنِ ملت کے لئے بہار کا مژدۂ جانفزا ہے۔

وہ ملتِ اسلامیہ کو یقین دلا رہے ہیں ۔۔۔ تم ہو خیرِ اُمّت بشرطیکہ یَنفَعُ النَّاس کرو۔ وہ کہتے ہیں امامتِ زمانہ تمہارے قدموں میں ہو گی بشرطیکہ تم قرآن کی پابندی اختیار کرو۔ وہ کہتے ہیں تم حق کے امین ہو اور حق بالآخر غالب آ کر رہے گا۔ لیکن یہ عجیب تماشہ ہے کہ وہ ہم پر پھول نچھاور کرتا ہے، ہم اُسے کانٹوں سے نواز رہے ہیں۔ وہ ہماری راہیں منور کر رہا ہے ہم اُس کے گھر کو تاریک کرنے کی فکر میں ہیں۔ وہ ہمارے شرف و مجد کے مژدے سناتا ہے اور ہم اُس پر سب و شتم کرتے ہیں۔

صاحبانِ من ! کیا یہی شرطِ وفا ہے کہ وہ تو ہماری عظمتوں کے گیت گائے اور ہم اس پر گالیاں برسائیں۔ وہ تو ہمیں شاہکارِ فطرت اور مقصودِ مشیت قرار دے اور ہم اس کے عوض اسے اسفل السافلین ٹھہرائیں ۔۔۔ میں تو یہی کہوں گا کہ ؎

صَبَنْتِ الْکَأسَ عَنَّا اُمَّ عَمْرٍو
وَکَانَ الْکَأسُ مَجْرَاھَا الْیَمِیْنَا !
اگر این است رسمِ دوستداری
بدیوارِ حرم زن جام و مینا

والسلام !

مفہوم القرآن پر نظرِ ثانی

مفہوم القرآن کے سلسلہ میں مجھے مختلف گوشوں سے مشورے موصول ہوتے رہے جنہیں میں ایک طرف رکھتا گیا کہ جب مجھے اس پر نظرِ ثانی کرنے کی فرصت ملے گی تو ان سے استفادہ کروں گا۔ اب میں اس پر نظرِ ثانی کر رہا ہوں۔ جو مشورے مجھے اسوقت تک موصول ہو چکے ہیں وہ تو میرے پیشِ نظر ہیں، لیکن اگر دیگر احباب بھی اس سلسلہ میں کوئی مفید تجاویز اپنے ذہن میں رکھتے ہوں، تو مجھے مطلع فرما دیں۔ اس کے لئے میں اُن کا شکر گذار ہوں گا۔۔۔ اس ضمن میں طباعت کی غلطیوں کی بھی نشاندہی فرما دیں۔ جس جس مقام پر کچھ تشنگی محسوس کریں اس سے بھی مطلع کریں تاکہ ان کی مزید وضاحت کر دی جائے۔۔ ترتیب و طباعت کے سلسلہ میں بھی اگر کسی تبدیلی کو ضروری خیال فرمائیں تو اس سے بھی مطلع فرمائیں۔۔۔ میں چاہتا ہوں کہ پورے غور و خوض کے بعد قارئین کے مشورہ سے اس کی تصحیح اور ترمیم ہو جائے۔۔۔۔۔ واللہ المستعان

پرویزؔ۔

۲۵۔ بی۔ گلبرگ۔ لاہور

باسمہٖ تعالیٰ

مشو اے غنچۂ نورستہ دلگیر ازیں بستان سرا دیگر چہ خواہی
لبِ جُو، بزمِ گُل، مرغِ چمن سیر صبا، شبنم، ــــ

نوائے صبحگاہی

پرویز صاحب کا خطاب

جس سے اُنہوں نے

طلوعِ اسلام کنونشن منعقدہ ۱۰-۱۱-۱۲ نومبر ۱۹۶۷ء

کے

شرکاء کا استقبال کیا

شائع کردہ: ادارہ طلوعِ اسلام - ۲۵/بی - گلبرگ - لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قافلۂ بہار را، انجمن انجمن نگر

بادہ نوشانِ خمکدۂ قرآنی! آپ پر خدا کا ہزار سلام و رحمت ہو۔

للہ الحمد کہ آج قریب ڈیڑھ سال کی صبر آزما مفارقت کے بعد ہمیں پھر سے مل بیٹھنے کی مسرت نصیب ہوئی ہے۔ کس قدر وجد شادابی فکر و سیرابی جذبات ہوتے ہیں وہ اجتماعات جن ... کے شرہاتے محفل میں کامل ہم آہنگی قلب و نگاہ اور یک رنگی تصور و خیال ہو۔ اور پھر جب اس یک رنگی و ہم نظری کی بنیاد خدائے عظیم کی کتابِ جلیل و جمیل کی عطا کردہ بصیرت ہو تو اس محفل کے دامان باغبان و کفِ گلفروش ہونے میں شبہ کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے والہانہ جذبات ذوق و شوق میں برکت اور آفاق گیر عزائم میں اس قدر استقامت عطا فرمائے کہ جس شمعِ قرآنی کو لے کر آپ شبہائے عصرِ حاضر کی تاریکیوں کا گریباں چاک کرنے کے لئے اٹھے ہیں اُسے وجہ تابانیٔ عالم بنا کر دم لیں۔ اور اس طرح آپ مخالفت کی ہر قوت سے، نہایت خندہ پیشانی سے کہہ سکیں کہ۔

دیدۂ آغازم، انجام نگر!

ڈیڑھ سال کے اس طویل عرصہ میں، میں کن جگر طلب مراحل سے گزرا، اگرچہ ان کی یاد سخت دل خراش اور ان کا تصور بڑا زہرہ گداز ہے؛ لیکن میں ستمہائے روزگار کی ان تمام چیرہ دستیوں کو فراموش کر کے انتہائی سکونِ قلب کے ساتھ اس تشبیہِ جانفزا کو آپ کے لئے فردوسِ گوش بنانے کی مسرت حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ ؎

تم جو اپنے شریکِ حال رہے
گردشِ آسماں سے کچھ نہ ہوا

ویسے بھی میری تو اب کیفیت یہ ہو چکی ہے کہ زندگی کے جتنے لمحات باقی ہیں (غالب کے الفاظ میں) خونِ جگر کے ان قطروں کو ودیعتِ مژگانِ یار سمجھتا ہوں۔ اس لئے اپنے وقت اور توانائی کے ایک شمہ کو بھی دیگر افکار و آلام میں صرف کرنے کو اس امانت میں خیانت تصور کرتا ہوں۔ اس سلسلہ میں میرا سرِ نیاز بدرگاہِ رب العزت سجدہ ریز ہے جس نے حوادثِ زمانہ کی اس قدر اضطراب انگیز تلاطم خیزیوں میں مجھے سکونِ گھر کی جنت سے نوازا۔ ؎

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کر دیا آزاد!
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

رفیقانِ محترم! ایک عرصہ کی بات ہے۔ دہلی میں میرے ایک عزیز دوست تھے۔ ڈاکٹر حمید (ہومیو پیتھ جو تقسیم کے بعد کراچی تشریف لے آئے تھے اور اب مرحوم ہو چکے ہیں) ان کا معمول یہ تھا کہ رات کو مطب سے فارغ ہونے کے بعد میرے ہاں تشریف لے آتے۔ ان کا ذوق بڑا پاکیزہ اور قلب نہایت شفاف تھا۔ اس لئے ان کی صحبت بڑی پُر لطف ہوتی۔ اسکے ساتھ ہی قرب و جوار کے احباب ان سے علاج معالجہ کیلئے بھی آ جاتے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے وہیں میرے کمرے میں دوائیوں کا ایک بکس رکھ چھوڑا تھا۔ ایک دفعہ آدھی رات کے وقت میرے ہاں ایک بچی کو کچھ ایسا دورہ اُٹھا کہ دیکھتے دیکھتے اس کی حالت غیر ہو گئی۔ آدھی رات ادھر آدھی اُدھر، کوئی ڈاکٹر قریب نہیں سواری کا بھی کوئی انتظام نہیں۔ بچی کی تکلیف اور اپنی بے بسی کے احساس نے بیتے ہیں کرب و اذیت سے اس شب کو سحر کیا۔ اس کی یاد آج بھی میری روح میں کپکپی پیدا کر دیتی ہے۔ علی الصبح ڈاکٹر حمید صاحب کو اطلاع دی۔ وہ آئے۔ بچی کو دیکھا اور اس کے سرہانے رکھا ہوا دوائیوں کا بکس نہایت اطمینان سے کھولا۔ ایک شیشی سے دوائی نکالی۔ چند لمحوں میں بچی آرام سے سو گئی۔ سارے گھر کو سکون نصیب ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب چلے گئے تو میری فکر کا رُخ دوسری طرف مُڑ گیا۔ میں نے سوچا کہ آج ملّتِ اسلامیہ کی حالت بعینہٖ یہی ہو رہی ہے۔ ساری قوم حوادثِ زمانہ سے انتہائی درد و کرب کے عالم میں مضطرب و بے چین ہے دوائیوں کا بکس سرہانے رکھا ہے لیکن چونکہ ان کے علم سے محروم ہے اس لئے اس جانکاہ درد و الم سے پڑی تڑپ رہی ہے اور مرض کا کوئی مداوا سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اس مریض کی شفایابی کے لئے کرنے کا کام فقط اتنا ہے کہ اسے بکس میں بند دوائیوں کی تاثیر و خواص سے آشنا کرا دیا جائے۔ حضور نبی اکرم کو جب خدا نے حکم دیا تھا کہ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ (۵/۶۷) جو کچھ تیرے نشو و نما دینے والے نے تیری طرف نازل کیا ہے اسے دوسروں تک پہنچا دے۔ اور آپ کا فریضۂ مقدسہ یہ بتایا تھا کہ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ (۶۲/۲) وہ انہیں قوانینِ خداوندی اور ان کی غرض و غایت کی تعلیم دیتا ہے اور اس طرح ان کی صلاحیتوں کی نشو و نما کا اہتمام کرتا ہے۔ اس سے مقصود یہی تھا کہ اس آسمانی بکس کو جس میں شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ کے لئے ضمنی علاج کی دوائیاں سر بمہر شیشیوں میں بند ہیں، ہر مریض تک پہنچا دو اور اسے ان کے خواص و اثرات سے روشناس کرا دو۔ اس طریقِ عمل سے عالمگیر انسانیت کو کسقدر صحت مندانہ شباب

حاصل ہو گیا۔ اس کی شہادت تاریخ کے اوراق سے لیجئے۔ حضورؐ نے ایسا کچھ کر دکھایا لیکن کچھ عرصہ کے بعد کیفیت یہ ہو گئی کہ یہ کیمیا تو ہر گھر میں موجود رہا لیکن اس کے اندر بند دواتیوں کے علم سے اہل خانہ نے اپنے آپ کو محروم کر لیا۔ اس کا جو نتیجہ ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔

قوم کے اس صدیوں کے مجرمانہ تغافل کے بعد یہ فریضہ آپ احباب نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ لیکن یہ فریضہ بظاہر جس قدر آسان ہے درحقیقت اسی قدر مشکل اور صبر آزما بھی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مریض کے صحیح علاج سے عطائیوں، کشتہ فروشوں، مجمع سازوں، اور گنڈہ تعویذ کے توہم پرستانہ جال بچھانے والوں کے مفاد پر زد پڑتی ہے اس لئے ان کی طرف سے اس سائنٹیفک طریقِ علاج کی مخالفت اور سخت مخالفت ناگزیر ہے۔ دوسری طرف عمر بھر کا مریض کچھ اس طرح مرض کا خوگر ہو چکا ہے کہ اسے اپنی ہلاکت کا احساس ہی نہیں رہا۔ ان حالات میں مریض کو صحیح علاج پر آمادہ کرنے اور اسے ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے مدعیوں کے دامِ تزویر سے بچانے کا کام بڑا صبر آزما اور ہمت طلب مرحلہ ہے۔ اس کے لئے بڑی اولو العزمانہ ہمت، استقامت، حوصلہ اور پتہ ماری کی ضرورت ہے۔ یہ مرحلہ کس قدر صبر طلب اور ہمت آزما ہوتا ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ نوعِ انسان کے اس طبیبِ مشفق (صلے اللہ علیہ وسلم) کو کہ جس کا صبر و ثبات، ہجوم مخالفت اور اژدہام معاندت کی تلاطم خیزیوں میں تمام عالم انسانیت کے لئے روشنی کے مینار کا کام دیتا ہے، قدم قدم پر خدا کی طرف سے اس قسم کی تاکیدی ہدایات ملتی تھیں کہ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (۲۰/۱۳۰) جو کچھ یہ لوگ تیرے خلاف کہتے ہیں اس پر ثبات و استقامت سے کام لو۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ (۶۸/۴۸) اپنے نشو و نما دینے والے کے فیصلوں پر جم کر کھڑا رہ۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ - (۴۶/۳۵)۔ اس استقامت سے کام لے جو اولو العزم انبیائے سابقہ کا شعار تھا۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ۔ (۳۰/۶۰) قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقینِ محکم رکھتے ہوئے صبر و استقامت سے کام لو۔ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا۔ (۷۰/۵) وہ صبر نہیں جو مجبوری کا دوسرا نام ہوتا ہے۔ نہایت حسن کارانہ انداز کا صبر کہ مخالفتوں کے ہجوم کا استقبال دل کے فردوس آگیں اطمینان اور نگاہوں کے تبسم جنت فروش سے کیا جاتا ہے۔

میں نے زمیلانِ گرامی قدر! قرآن کریم کی اسی ہدایت کو چراغِ راہ بناتے ہوئے اس تحریک کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کا مقصد نہایت سکون و خاموشی لیکن انتہائی التزام و استحکام کے ساتھ، قرآنی فکر کو عام کئے جانا ہے۔ اس میں کسی قسم کی ہنگامہ آرائی اور نمائش گری کو کوئی دخل نہیں۔ ہمارے دستورِ اساسی کی پہلی شق یہ ہے کہ ہم عملی سیاسیات میں حصہ نہیں لیتے۔ اس لئے اس تحریک کے ساتھ وابستگی سے نہ تو کوئی سیاسی مفاد عاجلہ حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں نمود و نمائش کی کوئی گنجائش اور شہرت و ناموری

کا کوئی مقام ہے۔ یہاں تو دنیا بھر کی مخالفت کو نہایت سکون و اطمینان سے برداشت کرنا اور لب تک ہلائے بغیر اپنی دُھن میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔ اس بزمِ شوق میں پروانے کی طرح جل کر مر جانا اور زبان سے اُف تک نہ کرنا ہے۔ دوسری طرف مفاد و حاجد کے جہانِ رنگ و بو سے یوں بیگانہ وار گذر جانا ہے کہ اس کی کوئی کشش و جاذبیت آپ کی دامنگیر نہ ہو۔ قرآنی تحریک کی یہی وہ نادر خصوصیت تھی جس سے متاثر ہو کر جرمن مفکر گیٹے نے اسے پُرسکوت ندی کی روانیوں سے تشبیہ دیتے ہوئے بارگاہ رسالتمآبؐ میں وہ والہانہ ہدیہ عقیدت پیش کیا ہے جس کی مثال منقبت کے لٹریچر میں بہت کم ملے گی۔ گوئٹے کی پیش کردہ اس خراماں خراماں رام ہوتے آب کی کیفیت (اقبالؒ کے فارسی ترجمہ کے الفاظ میں) یہ تھی کہ ؎

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

راستے کی ساحرانہ کشش و جاذبیت کا یہ عالم کہ ؎

در راہِ او بہار پری خانہ آفرید
نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید

لیکن اس کی شانِ بے نیازی کا یہ عالم کہ ؎

نا آشنائے جلوہ فروشانِ سبزپوش
صحرا برید و سینۂ کوہ و کمر درید

اور اس طرح — در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود

یوں یہ سکوت افزا ندی — از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت — اور

— از کاخِ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت —

اور اس طرح — در بر گرفتہ ہم سفرانِ زبون و زار

زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ می رود
با صد ہزار گوہرِ یک دانہ می رود

آپ کے اس کاروانِ شوق کو اس پُرسکوت ندی کی طرح، ہر قسم کی عناں گیر کشش و جاذبیت سے دامن کش، اور دوسری طرف، ہر نوع کی شور انگیزیوں اور تلاطم خیزیوں سے غیر متاثر، در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ، رواں دواں جانبِ منزل جادہ پیما رہنا چاہیئے۔

عزیزانِ من! قرآن کریم نے نبی اکرمؐ سے، ثبات و استقامت کی تاکید کے ساتھ یہ بھی فرمایا تھا کہ

فَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (۴۶) اس باب میں عجلت مت کرو۔ قرآن کی اسی تاکید کو دیکھ کر میری آنکھوں کے سامنے وہ ولولہ خوار باب شوق آجاتے ہیں جو ہماری تحریک کے نہایت سطحی نظر سے مطالعہ کے بعد ہم سے ہمنوا ہو جاتے ہیں لیکن تھوڑی دور ساتھ چل کر اس قافلہ کی سست رفتاری سے اکتا جاتے ہیں، اور تقاضے شروع کر دیتے ہیں کہ اس کے پروگرام میں سیاسی ہنگامہ آرائیاں اور شورش انگیزیاں شامل کرنی چاہئیں۔ جب ان کا یہ تقاضا پورا نہیں ہوتا تو وہ اس قسم کی بحثیں شروع کر دیتے ہیں جن سے افراد کار کے ذہنوں میں انتشار ابھرے اور دلوں میں افسردگی پھیلے۔ اس قسم کا عنصر ہماری تحریک کے لئے بہت نقصان رساں ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں قریب قریب ہر کنونشن میں اس کی تاکید کرتا چلا آرہا ہوں کہ یہ عنصر آپ کے ہاں بار نہ پانے پائے ورنہ آپ کی مدت العمر کی محنت دنوں میں بگولے کی گرد بن کر اُڑ جائے گی۔ آپ قرآنی تحریک کی نرم روی کا اس سے اندازہ لگائیے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا آغاز مکے سے کیا۔ آج کی کثرت آبادی کی نسبت سے اُس زمانے کا مکہ بس یوں سمجھئے جیسے ایک مختصر سا قصبہ یہ آبادی اور حضور رسالتمآبؐ جیسے داعیٔ انقلاب۔ آپ نے عمر نبوت کا قریب ساٹھ فی صد حصہ اسی مختصر سی آبادی میں دعوت و تبلیغ میں صرف فرما دیا۔ اور اس کا ماحصل قریب تین سو نفوس تھے۔ آپ سوچئے کہ کسی دعوت کی رفتار اس سے زیادہ بھی سست کہی جا سکتی ہے؟ لیکن یہ اس دعوت کی سست روی نہیں تھی، یہ خام لوہے کو پختہ بنانے کا عمل مسلسل تھا۔ یہ قطرہ کو گہر بنانے کا صبر طلب پروگرام تھا۔ اس کے برعکس ہمیں اپنی حالت پر غور کرنا چاہیئے۔ ساری دنیا کے مسلمان تو ایک طرف آپ صرف مغربی پاکستان کے مسلمانوں کو لیجئے۔ اور سوچئے کہ ان کی تعلیم کتاب و حکمت کا اہتمام تو بہت دور کی بات ہے کیا ہم ان سب تک قرآن کا پیغام پہنچا بھی سکے ہیں؟ جب ہماری منزلِ اول میں ہنوز یہ کیفیت ہے تو ہنگامہ آرائیوں کے تقاضوں کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ہم جو کچھ تھوڑا بہت اس وقت کر رہے ہیں، اسے بھی چھوڑ بیٹھیں۔

لہٰذا عزیزانِ من! ہمارا طریق عمل یہ ہونا چاہیئے کہ جو صاحب آپ کی فکر سے ہم آہنگ ہونے کی بنا پر آپ کی بزم میں شریک ہونا چاہیں۔ آپ انہیں پہلے متفقین کی فہرست میں رکھئے اور اس امر کا جائزہ لیجئے کہ انہوں نے آپ کی تحریک کا کس قدر گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا اور اسے کس قدر صحیح سمجھا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ ان کے مزاج میں جذبات کی شدت اور تلوّن تو نہیں، ان میں نمود کی خواہش اور بڑا بننے کا جذبہ تو نہیں۔ جب آپ اس طرح ایک عرصے کے تجربہ کے بعد مطمئن ہو جائیں کہ وہ آپ کے زمیلِ سفر بن سکتے ہیں تو پھر انہیں شریکِ کارواں کیجئے۔ یاد رکھئے! ناپختگانِ راہ کو شریکِ سفر کرنے سے

پہلے تو خود کارواں میں انتشار پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جب آپ مجبوراً انہیں الگ کرتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے آپ کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیتے ہیں۔ اور یوں آپ کا قیمتی وقت اور توانائیاں ان خار دار جھاڑیوں سے اپنا دامن چھڑانے میں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ کی بزموں میں ایسے احباب موجود ہوں تو پہلے تو آپ انہیں اپنی تحریک کا مقصد و مسلک سمجھائیے اور اگر وہ اس پر بھی اپنی روش میں تبدیلی نہ کریں تو ان سے عرض کر دیجئے کہ وہ تحریک سے الگ ہو کر جو پروگرام جی میں آئے اختیار کر لیں۔ لیکن تحریک کے اندر رہتے ہوتے انہیں اس قسم کے مطالبات کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اُن سے کہئے کہ ؎

عشق اپنا مزاج رکھتا ہے
تو وفا کر یا بے وفائی کر

ہم صبر طلبی عشق کو کسی کی بیتابی تمنا پر قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں!

بعض گوشوں سے اس قسم کی تجاویز بھی سامنے لائی جاتی ہیں۔ (اور ایسا کرنے والے بھی اسی قسم کے نو واردانِ بساط ہولتے دل ہوتے ہیں جن کا تذکرہ میں نے ابھی ابھی کیا ہے) وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بھی چاہیئے کہ ملک کی دیگر جماعتوں کی طرح، مختلف ناموں سے کچھ "انڈر" تنظیمیں جاری کر دیں جن کا بظاہر ہم سے کوئی واسطہ نہ ہو لیکن بباطن ہماری تحریک سے وابستہ ہوں۔ ایسے سیاست زدہ ذہنوں سے بلا توقف و تامل برملا کہہ دیجئے کہ اس قسم کی تجاویز تو ایک طرف اس قسم کی ذہنیت بھی ہمارے ہاں بار نہیں پا سکتی۔ ہم ہر قسم کی نقاب پوشی کو (خواہ وہ کیسے ہی نیک مقصد کے لئے کیوں نہ ہو) فریب کاری سمجھتے اور دروغ گوئی کو جرم عظیم قرار دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں کسی قسم کا کوئی رازِ درونِ پردہ نہیں۔ کوئی سترِ نہاں خانہ نہیں۔ کوئی زمین دوز پروگرام نہیں۔ ہم جو کہتے ہیں اعلانیہ کہتے ہیں۔ اور جو کچھ کرتے ہیں برملا کرتے ہیں۔ قرآنی فکر کو عام کرنا ہمارا نصب العین، اور اس کے لئے واضح اور کھلے ذرائع نشر و اشاعت اختیار کرنا ہمارا پروگرام ہے۔ ہمارا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ ہم ان میں سے نہیں جن کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ؎

سوچو تو سلوٹوں سے بھری ہے تمام روح
دیکھو تو اک شکن بھی نہیں ہے لباس میں

وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا

اس سلسلہ میں عزیزانِ محترم! ایک اور تخریبی عنصر کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔ ہماری تحریک کی ایک بنیادی شق یہ بھی ہے کہ ہمارا نہ کسی سیاسی پارٹی سے تعلق ہے نہ مذہبی فرقہ سے واسطہ۔ ہماری بزموں میں جو احباب شریک ہوتے ہیں وہ اس سے پہلے لامحالہ کسی نہ کسی فرقے سے متعلق ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ اس وقت تک کہیں سے اس قسم کی شکایت نہیں آئی تھی کہ وہ بزم میں یا بزم سے باہر طلوعِ اسلام کا نام لے کر کسی فرقہ وارانہ بحث میں اُلجھتے ہوں۔ لیکن میرے علم میں یہ بات لائی گئی ہے کہ فرقہ اہلِ قرآن سے متمسک حضرات بزموں میں شریک ہو جاتے ہیں اور وہاں تین نمازوں اور نو دن کے روزوں کی بحثیں چھیڑ دیتے ہیں۔ میں تمام بزموں کے نمائندہ حضرات سے گذارش کروں گا کہ اگر ان کی بزم میں ایسے لوگ شریک ہوں اور اپنی روش و ذہنیت تبدیل کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، تو انہیں بادلِ ناخواستہ بزموں سے الگ کر دیں۔ مجھے کسی کی نیت پر شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ان کی نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو، میری بصیرت کے مطابق، ان حضرات کی ایک بنیادی غلطی نے قرآنی پیغام کے عام ہونے کے راستے میں بڑی رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ قرآنی نظام یہ ہے کہ جائز و ناجائز (معروف و منکر) کی جزئیات متعین کرنا، (جسے فقہ قرآنی کہتے ہیں) اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔ جب تک یہ فریضہ اسلامی مملکت سرانجام دیتی رہی امت میں کوئی فرقہ پیدا نہیں ہوا۔ لیکن جونہی یہ فریضہ افراد کے سپرد ہو گیا اور ان کی مرتب کردہ فقہ پر عملدرآمد شروع ہو گیا، فرقے وجود میں آ گئے۔ طلوعِ اسلام کا مسلک یہ ہے کہ ملک میں، ایسا نظامِ مملکت قائم کیا جائے جو قرآن کریم کو اصل و بنیاد تسلیم کر کے، قوانین شریعت مرتب اور نافذ کرے۔ جب تک ایسا نہ ہو سکے مسلمانوں کے مختلف فرقے جس انداز سے اسلامی شعائر (نماز، روزہ، وغیرہ) ادا کرتے چلے آ رہے ہیں، ان میں ردّ و بدل نہ کیا جائے کہ اس سے خواہ مخواہ مزید انتشار پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ان حضرات کی نگاہوں سے یہ اہم حقیقت اوجھل رہی اور انہوں نے مسلمانوں کے دیگر فرقوں کی طرح فقہ مرتب کرنے کا فریضہ افراد کے سپرد کر دیا اور اس کے مطابق عمل بھی کرنے لگ گئے۔ اسی سے ان کا بھی ایک الگ فرقہ وجود میں آ گیا۔ یہ دعوے کہ دوسروں کی فقہ کا ماخذ روایات ہیں اور ہماری فقہ کا سرچشمہ قرآن ہے، اس باب میں کچھ فرق پیدا نہیں کرتا۔ فقہ کا ماخذ کچھ بھی کیوں نہ ہو جونہی وہ انفرادی ہوگی، فرقہ وجود میں آ گیا۔ یہ وجہ ہے جو یہ حضرات قرآن کے ساتھ اس قدر وابستگی کے مدعی ہونے کے باوجود قرآنی پیغام کے راستے میں سنگِ گراں بن کر حائل ہیں۔

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے مسلک میں اور فرقہ اہلِ قرآن کے مسلک میں کس قدر بنیادی فرق ہے۔ لہٰذا اس فرقے سے متعلق حضرات یا وہ حضرات جو اس قسم کا نظریہ رکھتے ہوں، ہماری

تحریک میں شامل نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی ہماری بزموں میں اس قسم کی بحثیں چھڑنی چاہئیں۔ اس سے خاص طور پر محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

عزیزانِ گرامی قدر! اب مجھے ان خارجی امور سے آگے بڑھ کر اپنی داخلی دنیا کی طرف آنا چاہیئے قرآن کریم نے اہل کتاب کے پیشوایانِ مذہب کے متعلق کہا تھا کہ:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۲/۴۴)

تمہاری حالت یہ ہے کہ لوگوں کو تو بھلائی کی تلقین کرتے ہو لیکن خود وہ کچھ نہیں کرتے جو دوسروں سے کہتے ہو۔ حالانکہ تمہارا دعوےٰ یہ ہے کہ تم کتاب خداوندی کا اتباع کرتے ہو۔ تم اگر ذرا بھی عقل و بصیرت سے کام لو تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اتباعِ کتاب کا پہلا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے کہ خود تمہاری اپنی اصلاح ہو۔ لیکن تم ہو کہ دوسروں کی اصلاح کے پیچھے تو لٹھ لئے پھرتے ہو، لیکن اپنی اصلاح کی کوئی فکر ہی نہیں کرتے۔

عزیزانِ من! ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ کیا قرآن کریم کا یہی اعتراض خود ہم پر تو وارد نہیں ہوتا؟ میں نے جہاں تک حالات کا جائزہ لیا ہے۔ ہم میں بیشتر احباب ایسے ہیں کہ قرآنی فکر ان کے دماغ تک تو پہنچی ہے لیکن ان کے قلب میں نہیں اتری۔ قرآن کے الفاظ میں ـــــ وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ـــــ یاد رکھیئے! قرآنِ کریم کا حقیقی مقصد انسان کی سیرت و کردار میں خوشگوار تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ اور یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا جب تک قرآنی فکر انسان کے قلب کی گہرائیوں تک نہ اترے۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت لطیف نکتہ کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ بعض جرائم ایسے ہیں جو معاشرہ میں بالبداہت معیوب قرار دیئے جاتے ہیں ـــ مثلاً شراب نوشی، قمار بازی، فحش کاری وغیرہ۔ اس قسم کے جرائم سے مجتنب رہنا نہایت ضروری ہے۔ لیکن فقط ان سے اجتناب سے سیرت و کردار میں تبدیلی نہیں آ جاتی۔ ہم اپنے بچپن کی غلط تعلیم و تربیت اور ماحول کے اثرات سے بہت سی نفسیاتی پیچیدگیاں (COMPLEXES) اور تحت الشعوری گرہیں (INHIBITIONS) لے کر پروان چڑھتے ہیں۔ قرآن کریم نے جب کہا ہے کہ وہ شِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان تمام نفسیاتی عوارض کو دور کر کے ایک متوازن شخصیت (BALANCED PERSONALITY) استوار کر دیتا ہے۔ سیرت و

کردار کی بلندی، متوازن شخصیت ہی کا دوسرا نام ہے — محسوس جرائم — شراب نوشی، قمار بازی، فحش کاری وغیرہ سے مجتنب رہنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ اس میں تو خود سوسائٹی کی نظروں میں گر جانے کا خیال بھی روک تھام کا باعث بن جاتا ہے۔ لیکن نفسیاتی پیچیدگیاں اور تحت الشعوری عوارض، وہ غیر محسوس شیاطین ہیں جو انسان کے خون میں حلول کئے ہوتے ہیں۔ انہیں وہاں سے نکالنا بڑی ہمت کا کام ہے۔ اور جب تک یہ نہ نکلیں، انسان کی سیرت میں توازن پیدا نہیں ہو سکتا۔ ایک غیر متوازن شخصیت کس طرح خود بھی جہنم میں رہتی اور اپنے وابستگانِ دامن کو بھی جہنم کے عذاب میں مبتلا رکھتی ہے، اس کا تجربہ ہمارے گھروں کی زندگی اور نجی محفلوں سے لگ سکتا ہے — ایسے لوگ آپ کی نگاہ میں ہوں گے جن میں اس قسم کا کوئی عیب نہیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ صوم و صلوٰۃ کے بھی پابند ہوں گے لیکن اتنی سی بات سے کہ انہیں اپنے آپ پر کنٹرول نہیں انہوں نے اپنے گھر کو جہنم اور دوستوں کی محفل کو "ضیق النفس" کا مریض بنا رکھا ہوگا۔ یہ کیا ہے؟ — وہی نفسیاتی پیچیدگی، جو تحت الشعور میں جاگزیں ہے۔ ایسے لوگ شراب خوری اور فحش کاری کو تو جرم (گناہ) سمجھتے ہیں لیکن اس قسم کی کمزوریوں کو اپنی "عادت" کہہ کر خود فریبی میں مبتلا رہتے ہیں۔ قرآن کریم ان نفسیاتی "عوارض" کا علاج کر کے، انسانی شخصیت کو متوازن بنا دیتا ہے۔ اس بات کے پرکھنے کا معیار (کہ کسی کی شخصیت کس حد تک متوازن ہو چکی ہے) یہ ہے کہ اس میں (علیٰ حدِ بشریت) صفاتِ خداوندی کا انعکاس کس حد تک ہوتا ہے۔ اسی کو خدا کے رنگ میں رنگے جانا کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں صفاتِ خداوندی (الاسماء الحسنیٰ) کا تذکرہ اس اصرار و تکرار کے ساتھ آیا ہی اس لئے ہے کہ وہ ہماری سیرت کے پرکھنے کا نہایت واضح خارجی معیار بن سکیں۔

سو اے ہم صفیرانِ چمنستانِ قرآنی! اگر ہماری شخصیت میں اس قسم کی تبدیلی نہیں آ رہی تو ہماری قرآن فہمی شاعری کی داد سے زیادہ کچھ نہیں۔ بلکہ اس کا نقصان یہ ہے کہ اس سے انسان اس خود فریبی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ میں دوسروں کے مقابلہ میں بہت آگے ہوں۔ اور اس طرح اُن سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔ جو اس فریب میں مبتلا ہو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اسے قرآن کی بارگاہ سے کچھ بھی بہرہ نصیب نہیں ہوا۔ ہم اگر دوسروں سے آگے ہو سکتے ہیں تو صرف اپنی سیرت کی بلندی کی بنا پر ہو سکتے ہیں۔ محض طلوع اسلام کے مسلک سے متفق یا قرآنی فکر سے آشنا ہونے کے زعم پر دوسروں سے آگے اور اونچے نہیں ہو سکتے۔ اس خیالِ خام کو دل سے نکال دیجئے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ جو ہم سے متفق نہیں وہ پاکیزگی سیرت میں ہم سے آگے ہو۔ اس لئے آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ جو شخص طلوع اسلام سے

متفق نہ ہو آپ اس سے نفرت کرنے لگ جائیں۔ ہمارے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم قدم قدم پر اس امر کا جائزہ لیتے جائیں کہ ہمارے گھر کی زندگی میں جنّت کا سا سکون ہے یا نہیں۔ احباب کے ساتھ ہمارے تعلقات میں کس حد تک خلوص و یگانگت ہے۔ دوسروں کے ساتھ معاملات میں ہماری دیانت و امانت کی کیا کیفیت ہے۔ جو عہد ہم نے اپنی تحریک کے ساتھ باندھا ہے اس میں کس حد تک استواری اور وفاشعاری ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ دوسروں کا دُکھ درد بٹانے کے لئے ہمارے اندر کس حد تک ایثار و خود فراموشی کا مادہ ہے۔ اور ایسا کرنے کے بعد ہمارا نفس کسی قسم کی نمود و ستائش کا متمنی تو نہیں۔ اگر آپ کے اندر اس قسم کی تبدیلی پیدا ہو رہی ہے تو قرآنی فکر سے وابستگی آپ کے لئے نفع بخش ہے۔ اگر ایسا نہیں تو یہ محض تفریحِ طبع سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس صورت میں لوگ بجا طور پر آپ کو یہ طعنہ دے سکیں گے کہ ؎

خزاں تو موردِ الزام ہی سہی لیکن
بہ فیضِ بادِ صبا بھی تو گُل کہیں نہ کھلے!

اور اگر آپ نے اپنے اندر اس قسم کی جنّت آفریں تبدیلی پیدا کر لی تو آپ بصد وجد و کیف' گلکدۂ قرآنی سے کہہ سکیں گے کہ ؎

ابدی بادِ بہارِ تو کہ در انجمنت
کفِ خاکِ آدمم و جوشِ بہاراں رفتم

اب میں' رفیقانِ محترم! اس بساطِ جائزہ کے اُس گوشے کی طرف آتا ہوں جس کا تصور میری روح میں بالیدگی اور جس کا خیال میری نگاہوں میں شادابی پیدا کر دیتا ہے' اور جس کی بہار آفرینیوں کو دیکھ کر میرے رونگٹے رونگٹے سے آپ احباب کے لئے دعائیں نکلتی ہیں۔ آپ نے سابقہ کنونشن میں طلوعِ اسلام کی اشاعتی اسکیم کو اپنے پروگرام کی بنیادی کڑی قرار دے کر اس ضرورت کو پورا کیا جس کی کمی ہماری فکر کی راہیں روکے کھڑی تھی۔ اس اسکیم نے جو خوشگوار نتائج پیدا کئے ہیں اس کے متعلق' میں ذاتی طور پر اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ اس سے میری عمر برسوں بڑھ گئی ہے۔ میرے حوصلے پھر سے جوان اور میرے ولولے تازہ دم ہو گئے ہیں۔ اس نے ملک کی فضا کو کس حد تک متاثر کیا ہے اس کا اندازہ قدم قدم پر لگایا جا سکتا ہے۔ قوم کے اہلِ فکر و نظر طبقہ نے اسی نہج پر سوچنا شروع کر دیا ہے حتیٰ کہ خود محراب و منبر بھی مجبور ہو رہے ہیں کہ اپنی افسانہ طرازیوں --- اور

داستاں گوئیوں کو چھوڑ کر، قوم کے سامنے حقائق پیش کریں۔ اس لئے کہ اب قوم اُن اساطیر کہن کو سننے کے لئے تیار نہیں۔ مذہبی پیشوائیت کا تقدس دلوں سے اُٹھ چکا ہے اور ان کا وجود محض ایک معاشرتی رسم بن کر رہ گیا ہے۔ آپ جہاں جائیں گے دیکھیں گے کہ الفاظ کچھ ہی کیوں نہ ہوں، روح ہر جگہ طلوع اسلام کی بول رہی ہے۔ بلکہ اب تو الفاظ اور اصطلاحات بھی اسی سے مستعار لی جا رہی ہیں۔ ؎

اب وہی حرفِ جنوں سب کی زباں ٹھہری ہے
جو بھی چل نکلی ہے وہ بات کہاں ٹھہری ہے

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت، ملک میں خالص فکری تحریک صرف آپ کی ہے۔ باقی سب وقتی ہنگامہ آرائیاں ہیں جن میں اسلام کا نام اس طرح لیا جاتا ہے جیسے خطوں کی پیشانی پر ۷۸۶ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس سے نفسِ مضمون سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یا اسے اپنی مفاد پرستیوں کے لئے بطور سپر استعمال کیا جاتا ہے۔ سلطانی ہو یا درویشی، اسلام کو ہر جگہ (EXPLOIT) کیا جاتا ہے۔ اس کے درد کا مداوا کوئی نہیں سوچتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ؎

کسی کو رنگ سے مطلب کسی کو خوشبو سے
گلوں کے چاکِ گریباں کی بات کون کرے

یہ بات آپ ہی کرتے ہیں۔ اور آپ کا پروگرام ہی یہ ہے کہ آپ گلوں کے رنگ اور خوشبو سے بے نیاز ہو کر ان کے چاکِ گریباں کی بات کرتے جائیں۔ اگر آپ نے اپنی کوششوں کو اسی طرح جاری رکھا تو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ یہ زمین کس طرح اپنے نشو و نما دینے والے کے نور سے جگمگا اُٹھتی ہے۔ میں عزیزانِ من! بڑا پُر امید ہوں۔ میری انگلیاں نبضِ زمانہ پر اور میری نگاہیں رفتارِ عالم پر ہیں۔ میں علیٰ وجہ البصیرت دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کی قومیں اپنے خود ساختہ معبودوں کے ہاتھوں تنگ آ چکی ہیں اور اب انہیں کسی ایسے آستاں کی تلاش ہے جہاں پہنچ کر وہ دل کے پورے سکون و اطمینان سے کہہ سکیں کہ ؎

از برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم
سرزمینے بود مقصودؔ آسمانے یافتم

باقی رہی اس فکر کی مخالفت۔ سو میرے عزیزو! میرے رفیقو! میرے ہمسفرو! قرآنی فکر و نظام کے خلاف یہ یورشیں صرف چند روزہ ہیں۔ آپ اسی طرح ہمت کئے جائیے، یہ ریت کے ذروں کی طرح منتشر ہو جائیں گی۔ یہ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گی۔ یہ دریا کی جھاگ کی طرح بہہ جائیں گی۔ خس و خاشاک

کی طرح خاکستر ہو جائیں گی۔ آپ اس حقیقت پر یقین رکھیے کہ

رات کے ماتھے پہ افسردہ ستاروں کا ہجوم
صرف خورشیدِ درخشاں کے نکلنے تک ہے!

ہم کسی پارٹی کے حریف نہیں، ہم کسی تنظیم کے رقیب نہیں، ہم خدا کی کتابِ عظیم کی شمعِ فروزاں کو لے کر اس لئے مصروفِ سفر ہیں کہ اس سے انسانیت کی راہیں روشن ہو جائیں۔ اگر مفاد پرست گروہ اسے اپنی مخالفت سمجھتا ہے تو ہم ان کی خاطر انسانیت کو تاریکیوں میں نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر چمگادڑ طلوعِ سحر سے پیچ و تاب کھاتا ہے، تو اس کی خاطر سورج شب کی رداؤں کے پیچھے چھپا نہیں رہ سکتا۔

اور جس طرح ہم، شپرہ چشموں کی مخالفت سے مرعوب ہو کر اس قندیلِ قرآنی کو چراغِ تہِ داماں نہیں بنا سکتے، اسی طرح ہم اس صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر کسی غیر قرآنی راہرو کے پیچھے بھی نہیں چل سکتے۔ قرآنی پرچم کو لے کر اٹھنے والوں کا تو اعلان یہ ہوتا ہے کہ

ہم بدلتے ہیں رُخ ہواؤں کا
آئے دنیا ہمارے ساتھ چلے

ہمارا قافلہ بے کس بے سروسامانوں کا ہے۔ ہمارے پاس متاعِ سفر نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے وسائل محدود اور ہمارا ساز و یراق از بس قلیل ہے۔ لیکن ہم نے جس امانتِ خداوندی کو لے کر رختِ سفر باندھا ہے وہ اس قدر گراں بہا اور عظیم الثمن ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے ہم ہر رہزن و قزاق کے سامنے سینہ سپر ہو جانے کے لئے تیار ہیں۔ لٹیرے رہزنوں اور قزاقوں سے فطرت کی بے صوت صدا پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ کہ ؎

اُن کو لوٹا تو اُجڑ جاؤ گے
جن کا سامان ہے بے سامانی

لہٰذا، میرے مشفق و غمگسار ہمسفرو! قرآن کی اس آواز کو بلند کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاؤ۔ منزل آغوش وا کردہ تمہارے انتظار میں چشم براہ ہے۔ ؎

سحر در شاخسارِ بوستانے
چہ خوش می گفت مرغِ نغمہ خوانے
برآور ہرچہ اندر سینہ داری
سرودے، نالۂ، آہے، فغانے

لیکن عزیزانِ من! اس سفر میں ایک گھاٹی ایسی بھی آتی ہے جہاں کوئی باہر کا رہزن ڈاکہ زنی نہیں کرتا۔ وہاں خود اپنے اندر کا چور کمین میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ یہ گھاٹی ایسی ہے جہاں سے پاؤں پھسلے تو انسان سیدھا جہنم کے عمیق غاروں میں جا گرتا ہے۔ اور وہ گھاٹی یہ ہے کہ آپ اس سلسلہ میں جو کچھ کریں اس میں کسی دنیاوی اجر و معاوضہ کا خیال تو ایک طرف، نمود و نمائش کا شائبہ تک بھی نہ آنے پائے، کہ یہ وہ شرک کی چنگاری ہے جو سب متاعِ عمل کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔ قرآن کریم نے اس عظیم حقیقت کو بڑے بصیرت افروز انداز سے بیان کیا ہے جب کہا ہے کہ ــــ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ۔ (۱۷/۷)، تم کوئی اچھا کام کرتے ہو تو وہ کسی دوسرے کے لئے نہیں، بلکہ خود تمہاری اپنی بھلائی کے لئے ہوتا ہے۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ۔ (۲/۲۷۲) جو کچھ تم بظاہر دوسروں کو دیتے ہو وہ درحقیقت خود اپنے آپ کو دیتے ہو۔ اب آپ سوچئے کہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم ایک مکان اپنے لئے بناؤ اور اس کا احسان اہلِ محلہ کے سر دھرو۔ تم کھانا خود کھاؤ اور اس کے شکریہ کے متمنی اپنے دوستوں سے ہو۔ یہی کیفیت اس کام کی ہے جسے آپ قرآنی تحریک کے لئے کرتے ہیں ــــ خواہ وہ مالی خدمت ہو یا صرفِ محنت یا ایثارِ وقت ــــ اگر آپ سمجھ لیں کہ یہ سب کچھ آپ اپنے لئے کرتے ہیں تو پھر آپ کے دل میں کبھی اجر و معاوضہ کی تمنا یا صلہ و ستائش کی آرزو پیدا نہیں ہوگی۔ لیکن اگر اس سے آپ کے دل میں اس قسم کا کوئی جذبہ بیدار ہوتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ ابلیس کا افسوں ہے جس سے وہ آپ کے اعمال کو رائگاں بنا رہا ہے۔ انسان تو ایک طرف، قرآنی ذہنیت تو اپنے خدا سے بھی یہ کہتی ہے کہ ؎

شانِ عطا کو تیری عطا کی خبر نہ ہو!
یوں بھیک دے کہ دستِ گدا کو خبر نہ ہو!

اس کے ساتھ ہی ہمیں اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئیے کہ ہمارے قافلہ میں بیشتر افراد ایسے ہیں جن کے پاس زادِ سفر تک نہیں، وہ اس تحریک کی مالی نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ خلوص و صداقت کی اس متاعِ عظیم کو لے کر شریکِ کارواں ہوتے ہیں جس کی قیمت کوئی ادا ہی نہیں کر سکتا۔ ان نادار پیکرانِ صدق و صفا کو سامنے رکھئیے اور اس کے بعد دل کے کانوں سے سن لیجئے کہ اگر آپ کی محفل میں، کسی اشارہ یا کنایہ تک سے بھی، ان غریبوں اور ناداروں کے دل میں یہ احساس بیدار ہو گیا کہ وہ اُن لوگوں کے مقابلہ میں فروتر سمجھے جاتے ہیں جو مالی امداد کرتے ہیں، تو یاد رکھئیے، آپ کی وہ محفل ابلیس کی رقص گاہ ہوگی، خدائے ربّ العالمین کی رحمتوں کی جولانگاہ نہیں ہوگی۔ اِن خلوص و صداقت کے پیکروں کو ہماری

محفلوں میں بلند ترین مقام ملنا چاہیئے۔ یا اگر مفلس و نادار ہیں تو اس کے ذمے دار ہم ہیں۔ ہمارا غلط معاشرہ ہے۔ تو کیا یہ ظلم عظیم نہیں ہوگا کہ ہم اپنے جرائم کی سزا ان بے گناہوں کو دیں؟ یہ سرمایہ داری کا ابلیسی نظام ہے جس میں دولت، معیارِ تکریم قرار پاتی ہے۔ آپ اس نظام کو مٹا کر اس کی جگہ نظامِ خداوندی قائم کرنے کے لئے اٹھے ہیں۔ لیکن اگر آپ کے ہاں بھی دولت ہی معیارِ تکریم رہی تو آپ کا ہر دعویٰ باطل اور آپ کی ہر آرزو سراب ہے۔ آپ ابلیس کے اس فریب سے بچیئے۔ ورنہ آپ سب کچھ کرنے کے باوجود کہیں کے نہیں رہینگے۔

آخر میں مجھے ایک اور حقیقت کو بھی سامنے لانا ہے۔ آپ ملک کے دور دراز گوشوں سے، سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے، یہاں جمع ہوتے ہیں۔ وقت، توانائی، پیسہ، صرف کرتے ہیں۔ تین دن تک باہمی مشاورت کے بعد کچھ فیصلے کرتے اور انہیں قراردادوں کی آئینی شکل دے کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ لیکن اکثر ہوتا یہ ہے کہ یہ قراردادیں آپ کے کاغذات میں لپٹی کی لپٹی رہ جاتی ہیں۔

عزیزانِ گرامی قدر! آپ نے کبھی سوچا بھی ہے کہ آپ کی منظور کردہ قراردادوں سے مفہوم کیا ہوتا ہے؟ ان سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے خدا سے عہد کرتے ہیں کہ ہم (قرآن کی خاطر) یہ کچھ کریں گے۔ اب آپ خود ہی سوچیئے کہ جب آپ ان قراردادوں کو عمل میں نہیں لاتے تو آپ بارگاہِ ایزدی میں کس قدر مجرم قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ کسی قرارداد کو پاس کرتے وقت سوچ لیجئے کہ یہ وہ وعدہ ہے جو آپ اپنے خدا سے کر رہے ہیں۔ اس لئے آپ وہی قرارداد پاس کریں جسے آپ نے پورا کر کے دکھا دینا ہو۔ ورنہ "الکھ روپیہ مہر مؤجل" قسم کی رسمی قراردادوں کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ آپ مفت میں عدالتِ خداوندی میں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہو جائیں۔

رفیقانِ محترم! میں نے اس ابتدائی نشست میں آپ سے جو کچھ کہنا تھا، وہ کہہ چکا۔ آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ تمام احباب کو خوش و خرم رکھے اور زندگی کے ہر بلند مقصد میں کامیاب و شادکام فرمائے۔ آپ کی رفاقت میری زندگی کے اس آخری مرحلہ میں میرے لئے وجہ صد توانائی اور آپ کی محبت باعث ہزار شکیبائی ہے۔ میری خلوتوں میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ؎

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اور میری جلوتوں میں آپ کی موجودگی سے یہ عالم کہ ؎

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر!
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

خوش نصیب ہے وہ رہ نورد جسے اس قسم کے رفقائے کارواں مل جائیں۔ یقین فرمایئے! آپ کے ساتھ ہوتے ہوئے نامساعدتِ حالات کے چھلاوے میرے لئے ذرا بھی وجۂ خوف و باعثِ ہراس نہیں ہو سکتے۔ میں جانتا ہوں کہ ایک دنیا میری مخالف ہے، لیکن مجھے ان کی مخالفت کا احساس ذرا بھی ستا نہیں سکتا ؎

مجھے غم نہیں ہے اس کا کہ بدل گیا زمانہ
میری زندگی ہے تم سے کہیں تم بدل نہ جانا

اور میں اسی یقین کے سہارے زندہ ہوں کہ کچھ بھی ہو تم نہیں بدل جاؤ گے۔ کس قدر حیات افروز ہے یہ یقین! اور کیا محکم ہے یہ سہارا ــــ خدا اسے ہمیشہ قائم رکھے۔ والسلام!

ادارہ کی نئی پیشکش

۱۔ **خدا اور سرمایہ دار** کتاب کا مضمون عنوان سے ظاہر ہے۔ قرآنی اور غیر قرآنی نظامہائے معیشت کا بصیرت افروز تقابل، اور انسانیت کے لئے کشاد کی راہ کا یقینی سراغ۔ قیمت اعلیٰ ایڈیشن ۹ روپے، سستا ایڈیشن پانچ روپے۔

۲۔ **جہاد** اسلام کے اس بنیادی اصول کے متعلق حقیقت کشا بحث، اور مخالفین کے اعتراضات کا مسکت جواب۔ ایک مختصر لیکن جامع تصنیف۔ قیمت۔ صرف دو روپے۔

۳۔ **پاکستان کا معمارِ اوّل** سرسید کا صحیح مقام اور قوم اور اسلام کے لئے آپ کی خدماتِ جلیلہ کا تذکرہ نہایت دلکش انداز میں۔ قیمت تین روپے۔

۴۔ **عربی خود سیکھئے** نیا ایڈیشن جو ضخامت میں پہلے ایڈیشن سے قریب ایک سو صفحے زاید ہے۔ قیمت۔ ساڑھے چار روپے۔

ناظم۔ ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵/بی گلبرگ لاہور

مطالبُ الفرقان

پارہ عم - تیسویں پارہ کا تشریحی ترجمہ جس کا آغاز طلوع اسلام بابت اکتوبر ۱۹۶۷ء سے ہوا ہے، فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس سلسلہ کو آگے بھی جاری رکھا جائے گا۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ آپ ان اوراق کو رسالے سے نکال کر ان کی الگ شیرازہ بندی کرتے جائیں تاکہ یہ سلسلہ وار آپ کے پاس محفوظ رہیں!

سورۃ الضحیٰ (۹۳)

(۱-۳)۔ (اس انقلاب کی آخری کامیابی میں جو تاخیر ہو رہی ہے تو اس سے' اے رسول! تیرے دل میں اس قسم کے خیالات پیدا ہو رہے ہیں کہ مجھ سے شاید کوئی ایسی بات ہو گئی ہے کہ میرے نشوونما دینے والے نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور مجھ سے برگشتہ خاطر ہو گیا ہے۔ یہ بات بالکل نہیں) کیا تو نہیں دیکھتا کہ دن کی روشنی نمودار ہونے سے پہلے کس طرح رات کی تاریکی ہر شے کو اپنے اندر لپیٹ کر فضا کو ساکت و صامت بنا دیتی ہے۔ اور سکوت و ظلمت کا یہ عرصہ کتنا لمبا ہوتا ہے۔ یہ حقائق اس پر شاہد ہیں کہ،

(۴) تیرے پروگرام کے ابتدائی مراحل دشوار گذار اور ہمت طلب ہوں گے۔ لیکن آخر الامر یہ تیرے لئے ہر قسم کے خیر و برکت کا موجب ثابت ہوگا۔

(۵) اور زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ تیرے نشوونما دینے والے کا قانونِ ربوبیت تجھے اتنا کچھ دے گا کہ وہ تیری تمام آرزوؤں کو پورا کر دے گا۔

(۶) اس ضمن میں تم' اے رسول! ذرا خود اپنی زندگی پر غور کرو۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ تو بے یار و مددگار

اور تنہا رہ گیا تھا، تو خدا نے تیرے لئے حفاظت اور پناہ کا سامان پیدا کر دیا؛

(۷) پھر کیا یہ بھی واقعہ نہیں کہ تو تلاش حقیقت میں حیران و سرگرداں پھر رہا تھا، تو اس نے، بذریعہ وحی، زندگی کے صحیح راستے کی طرف تیری راہ نمائی کر دی؛

(۸) اور کیا یہ بھی واقعہ نہیں کہ خدا نے تجھے ضرورت مند پایا تو اتنا کچھ دے دیا جس سے تو کسی کی مدد کا محتاج نہ رہا۔

(۹) تم نے دیکھا کہ تمہاری زندگی میں ہر مشکل مرحلہ کے بعد کس طرح کشادگی کا پہلو سامنے آجاتا رہا! اسی طرح، تمہاری اس دعوتِ انقلاب کے ساتھ بھی ہوگا۔ لہٰذا، تم ثبات و استقلال کے ساتھ اس پروگرام پر چلتے جاؤ، تاکہ معاشرہ میں ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ جو فرد بے یار و مددگار تنہا رہ جائے، اسے کوئی دبا اور دھتکار نہ سکے۔

(۱۰) اور نہ ہی کوئی صاحبِ ضرورت ایسا حقیر سمجھا جائے کہ اربابِ ثروت کی جھڑکیاں اسے قابلِ نفرت مقام تک پہنچا دیں۔

(۱۱) اس مقصد کے لئے کہ معاشرہ میں ایسی تبدیلی پیدا ہو جائے، تم ان آسائشوں اور نعمتوں کا چرچا عام کرتے جاؤ جنہیں تمہارے خدا نے، عالمگیر ربوبیت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو ان سے بہرہ یاب ہونا چاہیئے۔

سورۃ الانشراح (۹۴)

(۱)۔ (اے رسول! اس نظام کے قیام میں جن مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے، اور اس کی آخری کامیابی میں جو تاخیر واقع ہو رہی ہے، اس سے اثر پذیر اور ملولِ خاطر ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ تم ذرا سوچو کہ نبوت ملنے سے پہلے، اور اس کے بعد کے ابتدائی مراحل میں، تمہاری پریشانیوں اور تفکرات کا کیا عالم تھا۔ پہلے تم تلاشِ حقیقت میں سرگرداں و پریشاں پھرتے تھے۔ تمہیں ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی تھی، اور کشادگی کی کوئی راہ تمہارے سامنے نہیں کھلتی تھی) اس مقام پر ہم نے تمہیں وحی عطا کی جس سے زندگی کی تمام راہیں روشن ہو گئیں۔ تمہارے سینے میں اس قدر کشادگی پیدا ہو گئی کہ جو مہم پہلے ناقابلِ تسخیر نظر آتی تھی، اس کے سر کرنے کے راستے کھلتے چلے گئے۔ تمہاری ہمت بلند اور حوصلے وسیع ہو گئے (۱۵)

(۲۔۳)۔ (پھر) اس پروگرام کے ابتدائی مراحل ہیں، سختی منزل اور تنہائی سفر کے احساس اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے تمہاری کمر ٹوٹ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ خدا نے تمہارے رفقا کی ایک جماعت پیدا کردی اور اس طرح تمہارا وہ بوجھ بھی ہلکا ہو گیا۔

(۴)۔ (شروع شروع میں کیفیت یہ تھی کہ کوئی تمہارے قریب تک نہیں آتا تھا، ادھر طرف سے طعن و تشنیع کی دلخراش آوازیں سوہانِ روح ہوتی تھیں۔ رفتہ رفتہ یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ) تیرا نام بڑی عزت تکریم سے لیا جانے لگا۔ تیرا چرچا دور دور تک پھیل گیا۔ تو شرف و مجد انسانیہ کے معراجِ کبریٰ تک پہنچ گیا۔ قرآن کا پیغام بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔

(۵) مکہ کی زندگی میں ابتدائی مشکلات کے بعد، ہجرت کا پروگرام سامنے آیا۔ اس سے اُن مشکلات میں آسانیاں پیدا ہو گئیں جنکا سامنا مکی زندگی میں کرنا پڑا تھا۔

(۶) اب مخالفین نے جنگ کا سلسلہ شروع کر دیا ہے جس سے نئی مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔ تم دیکھو گے کہ ان مشکلات کے بعد بھی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی —— زندگی کا اصول یہ ہے کہ جو شخص مشکلات کو ہمت اور استقامت سے برداشت کر لیتا ہے، اس کے لئے آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

(۷) لیکن ایک بات ابھی سے سن رکھو۔ تم یہ نہ سمجھ لو کہ جب موجودہ مشکلات کا دور ختم ہو جائے گا، تو تم اپنے فرائض سے بالکل فارغ ہو جاؤ گے۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ اس کے بعد ایک نئی مہم شروع ہو جائے گی۔ اس انقلاب کو قومی سے بین الاقوامی بننا ہے۔ اس لئے اس میں ساری دنیا کے ساتھ مقابلہ ہو گا۔ اس کے لئے بھی تمہیں جم کر کھڑا ہونا پڑے گا۔

(۸) لہٰذا، جب تم پچھلی مہم سے فارغ ہو جاؤ تو پھر، خدا کے نظامِ ربوبیت کو مزید وسعت دینے کیلئے ایک تازہ مہم کے لئے تیار ہو جاؤ۔

لیکن اس سارے پروگرام میں ایک بلند حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو۔ اور وہ یہ کہ ایسا نہ ہو کہ کامیابیوں کے بعد، تمہاری توجہ کسی اور طرف منعطف ہو جائے۔ (عام ریفارمر یہی کیا کرتے ہیں۔ جب وہ اپنی دعوت کو لے کر اٹھتے ہیں تو بڑے بلند آہنگ اصول پیش کرتے ہیں۔ لیکن جب انہیں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو ان اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر کسی اور ہی طرف چل نکلتے ہیں۔ یہ بہت بڑی فریب دہی ہے)۔ مشکلات ہوں یا کامیابیاں، تمہارا ہر قدم خدا کے متعین کردہ پروگرام کی طرف اٹھنا چاہیئے۔ اس راستے سے ذرا بھی ادھر ادھر نہیں ہٹنا چاہیئے۔ (۱۱۔۱۰)

سُورۃ التین (۹۵)

(۳-۱)۔ (حق و باطل کی یہ کشمکش، جو اے رسولؐ! تجھے اس وقت درپیش ہے، کوئی نئی بات نہیں۔ شروع سے یہی کچھ ہوتا رہا ہے اور یہی کچھ ہوتا رہے گا۔ انقلابِ خداوندی کی آواز جہاں، اور جب بھی اٹھی، مفاد پرست قوتوں ــ سرمایہ داروں اور مذہبی پیشواؤں ــــ نے اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ) جب یہی آواز، نوحؑ کی زبان سے، کوہِ تین سے بلند ہوئی تو اس کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ اور جب اسی آواز کو، کوہِ زیتون سے مسیحؑ نے پیش کیا تو وہاں بھی یہی کچھ پیش آیا۔ جب اس انقلاب کو طور کی وادیوں میں موسےٰؑ لے کر اٹھا تو اس کے ساتھ بھی یہی گذری۔ اور اب، جب یہی دعوت اس بلدِ امین (یعنی امن و سلامتی کا مرکز بننے والے مکہ۔ (۲/۱۲۶) سے اٹھی ہے، تو اس کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔

(۴) یہ کشمکش اس لئے ہوتی ہے کہ ہم نے انسان میں اس امر کی صلاحیت رکھ دی ہے کہ یہ اپنی ذات کی نشو و نما کر کے بہترین توازن کی زندگی بسر کرے۔

(۵) لیکن اس کی انفرادی مفاد پرستیاں اسے حیوانی زندگی کی پست ترین سطح پر لے جاتی ہیں۔ (آسمانی انقلاب اسے اُس پستی سے اٹھا کر، انسانیت کی بلند سطح پر لانا چاہتا ہے لیکن یہ بات مفاد پرستوں کی مصلحتوں کے خلاف جاتی ہے اس لئے ان دونوں میں تصادم ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہوتا ہے کہ اس انقلاب کی رُو سے، انسانوں کی ایک جماعت شرفِ انسانیت کے بلند ترین مقام پر پہنچ جاتی ہے، لیکن، ان کے بعد ان کی نسلیں، آہستہ آہستہ، دین میں آمیزش کرنے لگ جاتی ہیں اور اس طرح پھر سے حیوانیت کی اسی پست ترین سطح پر پہنچ جاتی ہیں ــــ یہی کیفیت اس وقت اِن مخاطبینِ عرب کی ہے)۔

(۶) اس مقام سے انسانیت کی بلند سطح پر آنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان، قوانینِ خداوندی کی صداقت پر ایمان لائے، اور اس کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا ہو۔ جب تک کوئی قوم اس پروگرام پر عمل پیرا رہے گی، وہ اس کے انسانیت ساز نتائج سے بہرہ مند ہوتی رہے گی۔ اور یہ کچھ انہیں بطور ان کے حق کے ملے گا۔ خیرات کے طور پر نہیں ملیگا۔ (۱۱/۱۰۸ ; ۵۳/۲۵)

(۷) ان ابدی حقائق اور تاریخی شواہد کے بعد، وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر کوئی ہمارے قانونِ مکافات کے بارے میں، تجھے جھٹلا سکتا ہے؟

(۸) اور یہ قانونِ مکافات اس حقیقت پر شاہد ہے کہ اقتدارِ اعلےٰ خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اس کے فیصلوں کی اپیل کہیں نہیں ہو سکتی۔ (اس لئے قرآنی نظام سے مراد یہ ہے کہ حکومت کے تمام فیصلے قوانین خداوندی کے مطابق ہوں۔ اسی سے شرفِ انسانیت قائم رہ سکے گا اور انسان حیوانیت کی پست سطح پر گرنے سے بچ جائیگا)۔

سُورۃ العلق (۹۶)

(۱) اے رسول! تو اُس خدا کی صفتِ ربوبیت کا عام اعلان کر دے جو تمام اشیائے کائنات کا خالق ہے۔۔۔ یہ اعلان کر دے کہ جس خدا نے پیدا کیا ہے، اس نے اس کے ساتھ ہی ہر ایک کی نشو و نما کا سامان بھی مہیا کر دیا ہے۔

(۲) لیکن اشیائے کائنات میں سے انسان کی کیفیت سب سے الگ ہے۔ ایک طرف اس کی حالت یہ ہے کہ یہ مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ یعنی اس نے ایک دوسرے کے ساتھ مل جُل کر رہنا ہے دوسری طرف اس کا یہ عالم ہے کہ (اگر یہ وحی کی راہ نمائی اختیار نہ کرے تو ہر فرد کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ) وہ سامانِ رزق کے ساتھ جونک کی طرح چمٹ جائے اور دوسروں کا خون چوستا ہے (یہاں ذیابیطس؟)

(۳) اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام انسانوں کو اس نقطہ پر جمع کیا جائے کہ خدا نے اس قدر فراوانی سے سامانِ زیست پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ اس سے تمام افراد کی نشو و نما ہو سکے۔ اس لئے تمہارا تمدنی اور معاشی نظام ایسا ہونا چاہیئے جو اس مقصد کو پورا کر سکے۔

(۴) اس مقصد کے لئے خدا نے انسان کو اس کی استعداد بھی دی ہے کہ یہ تحریر کے ذریعے اپنے خیالات دور دور تک پہنچا کر، ایک دوسرے سے قریب ہوتا جائے اور اس طرح وحدتِ انسانیت پیدا کرتا چلا جائے۔

(۵) پھر اُس نے اسے (وحی کے ذریعے) اُن حقائق کا علم بھی دیا ہے جنہیں یہ نہیں جانتا تھا۔

(۶-۷) لیکن انسان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو وحی کی راہ نمائی سے مستغنی سمجھ کر، انفرادی مفاد پرستیوں کا نظام وضع کر لیتا ہے، جس میں، ہر وہ فرد جو کسی طرح زیادہ سمیٹ لیتا ہے، اپنے آپ کو دوسروں سے مستغنی سمجھنے لگ جاتا ہے اور اس طرح وہ نوعِ انسان کی عالمگیر ربوبیت کے تصور سے

سرکشی اختیار کرلیتا ہے۔

(۸) لیکن وہ کتنی ہی سرکشی اختیار کیوں نہ کرے، اسے آخر الامر، اس نظام کی طرف آنا پڑے گا۔ اسلئے کہ اس کے سوا اس کی مشکلات کا کوئی حل نہیں۔

(۹)۔(۱۰) کیا تو نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ جو انسان وحی سے سرکشی اختیار کرلیتا ہے، اس کی کیفیت کیا ہو جاتی ہے؟ وہ نہ صرف، خود قوانینِ خداوندی سے بے راہ روی اختیار کرتا ہے بلکہ جو شخص، اُن قوانین کے پیچھے چلتا ہے، اس کے راستے میں بھی سنگِ گراں بن کر حائل ہو جاتا ہے۔

(۱۱)۔(۱۲) ذرا سوچو کہ اگر ایک شخص راہِ راست پر چل رہا ہے، اور دوسروں کو بھی اسی راستے پر چلنے کی تلقین کرتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ وہ قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کریں (اور اس طرح عدل واحسان کا نظام قائم کریں) تو کسی کو کیا حق حاصل ہے کہ اُسے اس سے روکے؟

(۱۳) اور لوگوں سے کہے کہ اس شخص کا ۔۔۔ عالمگیر ربوبیت کا، دعوے بالکل جھوٹا ہے۔ ایسا نہ کبھی ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے ۔۔۔ لوگوں میں اس قسم کا پروپیگنڈہ کرے، اور انسانیت کی ترقی کی راہیں مسدود کر کے، انہیں رجعت پسندانہ مسلک اختیار کرنے کی تلقین کرے۔

(۱۴) کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ خدا کا قانونِ مکافات اس کی ہر نقل وحرکت پر نگاہ رکھتا ہے!

(۱۵)۔ (کیا وہ یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ وہ اسی طرح کرتا چلا جائے گا اور کوئی اسے روکنے والا ہی نہیں ہوگا؟) ہرگز نہیں! ۔۔۔ اگر وہ اپنی اس روش سے باز نہ آیا تو خواہ وہ کتنا ہی صاحبِ قوت کیوں نہ ہو، ہم اسے اس کی پیشانی کے بالوں سے اس طرح پکڑیں گے کہ وہ ہل نہیں سکے گا۔

(۱۶) یہ جھوٹ بولنے والا ۔۔ نظامِ ربوبیت کے تصور کو جھٹلانے والا ۔۔ ہمارے قوانین سے سرکشی اختیار کرنے والا، خطاکار مجرم۔ یہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رہا ہے۔

(۱۷) اس سے کہو کہ وہ (میدان میں آئے۔ اور اپنے ساتھ) اپنے حمائیتوں کو بھی بلا لے۔

(۱۸) دوسری طرف، ہم بھی اُنہیں آواز دیں گے جو حق وصداقت کی مدافعت کے لئے ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کو تیار بیٹھے ہیں تاکہ وہ، ان مخالفین کو، دھکیل کر پیچھے ہٹا دیں۔

(۱۹) لہٰذا، اے رسول! تجھے اس کی قطعاً ضرورت نہیں کہ تو اس سے کسی قسم کی مفاہمت کرے۔ (دو متضاد نظریاتِ زندگی میں مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تیرے لئے کرنے کا کام یہی ہے کہ) تو قوانینِ خداوندی کی زیادہ سے زیادہ اطاعت کرتا رہے۔ اس طرح تو اپنی منزلِ مقصود سے قریب تر ہوتا چلا جائے گا۔

سُورۃ القَدر (۹۷)

(۱) ہم نے اس قرآن کو، اُس وقت جبکہ ساری دنیا وحی کی روشنی سے محروم ہوکر، تیرہ و تار ہوچکی تھی نئی اقدار اور نئے پیمانے دے کر نازل کیا۔ لہذا جس رات میں اس کے نزول کا آغاز ہوا، وہ ایک جہانِ نَو کی نمود کی رات تھی۔ (۲/۱۸۵ ; ۱۴/۱ ; ۴۴/۱-۴ ; ۸۱/۱۷-۱۹)

(۲) تجھے خدا سے بڑھ کر اور کون بتا سکتا ہے کہ یہ نئی اقدار اور نئے پیمانوں کی شب جس میں یہ نازل ہوا ہے، کس قدر باعظمت ہے۔

(۳) یہ ایک رات، اُس زمانے کے ہزار مہینوں سے بہتر اور افضل ہے جس میں دنیا وحی کی روشنی سے محروم تھی۔

(۴) یہ رات درحقیقت طاقت پیش رس ہے اُس دور کی جو نزولِ قرآن کے بعد آنے والا ہے۔ اُس دور کی خصوصیت یہ ہوگی کہ رفتہ رفتہ، آہستہ آہستہ، بتدریج، قانونِ خداوندی کے مطابق کائناتی قوتیں (فطرت کی قوتیں) اور وحیِ خداوندی[1] ہم آہنگ ہوتی چلی جائیں گی ــــ انسان فطرت کی قوتوں کو مسخر کرتا جائے گا، اور رفتہ رفتہ ان کا استعمال، وحیِ خداوندی کی روشنی میں، انسانیت کی ربوبیتِ عامہ کے لئے ہونے لگے گا ــــ اور اس طرح، فساد انگیزیوں اور خون ریزیوں کی جگہ، زندگی کے ہر گوشے میں، امن و سلامتی کی فضا عام ہوتی جائے گی۔

(۵) تاآنکہ، دنیا سے ہر قسم کی تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔" (۳۹/۶۹)

---

[1] الرُّوح وہ الوہیاتی توانائی ہے جو خدا کے عالمِ امر میں تدبیرِ امور کرتی ہے۔ یہی الوہیاتی توانائی، قلبِ نبویؐ پر وحی کا نزول کرتی تھی۔ اس اعتبار سے خود وحی کو بھی الرّوح کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے، نفسِ مضمون کے پیشِ نظر، کسی جگہ الرّوح سے الوہیاتی توانائی مراد لی ہے اور کسی جگہ خود وحیِ خداوندی۔

دیکھئے۔ ۱۶/۲ ; ۴۲/۵۲ ; ۱۶/۸۵-۸۹ ; ۲/۸۷ ; ۹۷ ; ۲۶/۱۹۳ ; ۴۰/۱۵ ; ۵۸/۲۲)۔

سورۃ البیّنۃ (۹۸)

(۱) یہ لوگ جو اپنے آپ کو اہلِ کتاب کہتے ہیں، لیکن درحقیقت خدا کے دین کے منکر (اور اپنے خودساختہ مذہب کے پیرو) ہیں۔ اور یہ مشرکین عرب جو کسی آسمانی کتاب رکھنے کے مدعی ہی نہیں، ان زنجیروں سے کبھی آزادی حاصل نہیں کرسکتے تھے، جن میں یہ جکڑے ہوئے تھے، جب تک ان کی طرف واضح طور پر وحیِ خداوندی نہ آجاتی۔ (یہ وحی اب قرآن کی شکل میں آگئی ہے اور اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ انہیں ان زنجیروں سے آزاد کرا دے جن میں انہوں نے اپنے آپ کو جکڑ رکھا ہے) (۷:۱۵۷)

(۲) انہیں یہ وحی اس رسول کی وساطت سے ملی ہے جو ان صحائف (قرآنی آیات و سور) کو، جو ہر طرح کے نقائص اور عیوب سے پاک ہیں، ان لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

(۳) یعنی اس قرآن کو جس میں خدا کے غیر متبدل قوانین اور محکم اور مستقل اقدارِ زندگی درج ہیں۔

(۴) لیکن ان اہلِ کتاب کی حالت یہ ہے کہ (بجائے اس کے کہ یہ) ایسے واضح حقائق کے آجانے کے بعد (قرآن پر ایمان لانے سے اپنے اندر وحدت پیدا کرلیتے) انہوں نے الٹی تفرقہ کی راہ اختیار کرلی۔

(۵) حالانکہ قرآن میں اس کے سوا اور کیا تعلیم پیش کی گئی ہے کہ وہ اطاعت اور محکومیت صرف قوانینِ خداوندی کی اختیار کریں۔ اس کے سوا کسی اور کو اپنا حاکم تسلیم نہ کریں۔ اور ہر طرف سے ہٹ کر، اس ایک نقطہ پر جمع ہوجائیں۔ وہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں اور نوعِ انسان کی نشو و نما کا سامان بہم پہنچائیں بس یہی وہ محکم نظامِ زندگی ہے جو انسانیت کے قیام کا ضامن ہوسکتا ہے۔

(۶) لیکن اہلِ کتاب نے اس باب میں مختلف راستے اختیار کرلیے۔ بعض نے اس دین کو قبول کرلیا۔ اور دوسروں نے اس سے انکار کردیا۔ یہی صورت مشرکین نے بھی اختیار کی۔ سو ان میں سے جنہوں نے اس نظام کی صداقت سے انکار کیا ہے، ان کا انجام ایسی تباہی ہوگا جس میں سب کچھ جل کر راکھ کا ڈھیر ہوجاتا ہے۔ یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (اس تباہی کا سلسلہ مرنے کے بعد بھی جاری رہیگا)

یہ زندگی بدترین خلائق کی زندگی ہے۔

(۷) ان کے برعکس، جو لوگ اس نظام کی صداقت پر یقین رکھتے ہیں اور خدا کے متعین کردہ صلاحیت بخش پروگرام پر عمل پیرا رہتے ہیں، ان کی زندگی بہترین خلائق کی زندگی ہے۔

(۸) ان کے حسنِ عمل کے نتائج، خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق، ان کے سامنے آجائیں گے۔

وہ ایسے جنتی معاشرہ میں رہیں گے جس کی شادابیوں میں کبھی کمی نہیں آئے گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (کیونکہ اس کا سلسلہ موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جائے گا)۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے قوانینِ خداوندی سے ہم آہنگی اختیار کر لی تو ان کے اعمال کے نتائج یکسر ان قوانین کے مطابق مرتب ہو گئے۔

اور یہ سب اس لئے ہوا کہ یہ لوگ بڑے عاقبت اندیش تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر انہوں نے قوانینِ خداوندی کے مطابق زندگی بسر نہ کی تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔

سورۃ الزلزال (۹۹)

(۱) جب وہ انقلابِ عظیم آئے گا جس میں انسان کا موجودہ غلط تمدنی نظام تہ و بالا ہو جائے گا۔

(۲) وہ مستبد قوتیں جو اس وقت زمین کی چھاتی پر سنگِ گراں بن کر بیٹھی ہیں، نکال باہر کی جائیں گی۔

(۳) اور وہ انسان جس کے تصور میں بھی اس قسم کا انقلاب نہیں آسکتا اور وہ خیال بھی نہیں کر سکتا کہ ایسے صاحبِ قوت و ثروت مستبد لوگوں اور قوموں کا ایسا حشر ہو سکتا ہے، حیران ہو جائے گا کہ ایسا تغیر کس طرح واقعہ ہو گیا۔

(۴) اس وقت تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی۔ اقوامِ سابقہ کی سرگزشتیں ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آجائیں گی۔

(۵) اور یہ سب کچھ خدا کے قانون کے عین مطابق ہو گا۔

(۶) اس وقت ایک نئے نظامِ عدل کی بساط بچھے گی۔ مجرم اور شریف انسان الگ الگ ہو جائیں گے۔ اور ہر گروہ کے اعمال کے نتائج نمایاں طور پر سامنے آجائیں گے۔ (۳۶/۵۹)

(۷) جو ذرہ برابر بھی قانونِ خداوندی کا اتباع کرے گا، اس کے حسنِ عمل کا خوشگوار نتیجہ اس کے سامنے آجائے گا۔

(۸) اور جو ذرہ برابر قانون شکنی کرے گا، وہ اس کی سزا پائے گا۔

یہ سب کچھ اس دنیا میں بھی ہو گا جب قرآنی نظام قائم ہو گا (جیسا کہ نبی اکرمؐ کے زمانے میں ہوا تھا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہو گا) اور آخرت میں بھی، جب انسان کا ہر عمل، نتیجہ بن کر سامنے آجائیگا۔

سورۃ العٰدیٰت (۱۰۰)

(۱) ذرا ان لوٹ مار کرنے والے ڈاکوؤں اور قزاقوں کو دیکھو۔ لوگ اطمینان سے گہری نیند سو رہے ہوتے ہیں کہ یہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے، ان پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔

(۲) گھوڑوں کو اس تیزی سے دوڑاتے ہیں کہ ان کے سموں سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں۔

(۳) معلوم نہیں یہ کتنی دور سے آتے ہیں لیکن عین صبح کے وقت، جب سونے والوں پر نیند کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے، یہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے لئے آ پہنچتے ہیں۔

(۴) اور ایسا گرد و غبار اڑاتے ہیں کہ اس سے وحشت طاری ہو جاتی اور کوئی چیز صاف دکھائی نہ دے۔

(۵) اور اس طرح اُن سونے والوں کی جمعیت کے اندر گھس کر طوفان برپا کر دیتے ہیں۔

(۶-۸) انسانوں کی لوٹ مار کی یہ عادت کس بات کی شہادت دیتی ہے؟ اس بات کی کہ یہ مال و دولت کی ہوس میں دیوانہ ہو کر انسانیت کے تمام آئین و آداب کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ یہ بجائے اس کے کہ کچھ پیدا کر کے سامانِ رزق میں اضافہ کرے، دوسروں کی محنت کی کمائی لوٹ کر سب کچھ اپنے لئے سمیٹ لینا چاہتا ہے اور اس طرح خدا کے نظامِ ربوبیت کی ناقدر شناسی کرتا ہے ـــــ پھر تماشہ یہ کہ یہ اپنی اس ذہنیت کا کبھی اعتراف نہیں کرتا بلکہ اس لوٹ مار اور سلب و نہب کو اس رنگ میں پیش کرتا ہے گویا یہ کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے رہا ہے۔ حالانکہ اس کی زندگی خود اس کی شہادت دیتی ہے کہ وہ ایسا

(نوٹ) اس سورۃ کی پہلی پانچ آیات میں قرآن کریم نے اس کی تصریح نہیں کی کہ ان میں کن جماعتوں کا ذکر ہے۔ ہم نے آیت ۶ اور اس کے بعد کی آیات کے مضمون کی نسبت سے، ان سے مراد وہ جماعتیں لی ہیں جو لوٹ مار کرنے کے لئے یورشیں کیا کرتی تھیں ـــــ اور یہ جاہلیت عرب کے معاشرہ کا عام معمول تھا۔ لیکن اگر ان سے مراد مجاہدین کی جماعتیں ہوں جو مخالفین کی سرکوبی کے لئے یورشیں کرتی تھیں تو یہ آیات ان کی تگ و تاز کی تحسین کے لئے ہوں گی۔ اور آیات مابعد سے ان کا ربط یوں ہوگا کہ انہیں یہ کچھ اس لئے کرنا پڑتا ہے کہ انسان کو اگر علی حالہٖ بے باک چھوڑ دیا جائے تو وہ سب کچھ اپنے لئے سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے جس سے کمزور لوگ نانِ شبینہ تک کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ انہیں اس غلط روش سے روکنے کے لئے، آخری صورت یہی ہے کہ جہاد (قتال)

(باقی اگلے صفحہ پر)

کیوں کرتا ہے۔ وہ ہوسِ زر کے لئے ایسا کرتا ہے۔

(۹ - ۱۰) کیا اُسے اس کا علم نہیں کہ ہمارا قانونِ مکافات ہر چھپی ہوئی بات کو کرید کر نکال لیتا ہے۔ وہ انسان کے دل میں گزرنے والے خیالات تک کو پوست کندہ شکل میں سامنے لے آتا ہے۔ انسان لاکھ کہے کہ وہ یہ کچھ، مال کی محبت کی وجہ سے نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا مقصد کچھ اور تھا، لیکن ہمارا قانونِ مکافات اس کے ہر مخفی ارادے کو بے نقاب کر دیگا۔

(۱۱) یہ مخفی ارادے، بے نقاب تو ہوں گے اعمال کے ظہور کے نتائج کے وقت، لیکن خدا کو ان کا آج بھی علم ہے۔ وہ اِس وقت بھی جانتا ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہوتا ہے اور وہ ظاہر کیا کرتا ہے۔ کوئی زرپرست اس کا اعتراف نہیں کرے گا کہ وہ ہوس و حرص کی وجہ سے دولت اکٹھی کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے ہزار خوش آئند وجہِ جواز پیش کرے گا۔ لیکن یہ سب فریبِ نفس ہے۔ وہ وقت آئے گا جب یہ لوگ اپنے عزائم کو چھپا نہیں سکیں گے۔ دنیا ان سے اچھی طرح واقف ہو جائے گی)۔

سُورَةُ الْقَارِعَة (۱۰۱)

(۱) ہاں! وہ کھڑکھڑا دینے والا انقلاب، وہ ہنگامہ خیز تصادم (جو عنقریب رونما ہونے والا ہے)

(۲) کس قسم کا ہیبت ناک ہوگا وہ انقلاب؟ ($\frac{۶۹}{۴}$)

(۳) اس کے متعلق تمہیں خدا سے بہتر اور کون بتا سکے گا کہ اس انقلاب میں کیا ہوگا۔

(۴) اُس وقت عوام کی تو یہ حالت ہوگی جیسے بکھرے ہوئے پروانے۔

(۵) اور اُن کے بڑے بڑے لیڈروں کا یہ عالم گویا وہ دُھنی ہوئی اُون یا روئی کے گالے ہیں جو فضا میں اُڑ رہے ہوں۔

(۶) لیکن یہ انقلاب محض ایک ہنگامہ یا فساد نہیں ہوگا۔ یہ موجودہ باطل کے نظام کی جگہ عدل و انصاف

(نوٹ صفحہ سابقہ) کے ذریعے ان کی قوت کو توڑا جائے۔ مجاہدین کی جماعتیں، اور ان کے رسالے گھوڑے اسی مقصد کے لئے پرورش کیے جاتے ہیں ـــ گھوڑے اپنے رزق دینے والے آقا کے اس قدر وفا شعار، اور انسان اس قدر ناشکر گذار!

کا نظام قائم کرے گا جس میں ہر شخص کا مقام اس کے اعمال کے مطابق متعین ہوگا۔ جس شخص کے اچھے اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا، اس کی زندگی اس کی حسین آرزوؤں کے مطابق خوش آئند ہوگی۔

(۸ - ۹) لیکن جس کا وہ پلڑا ہلکا ہوگا، وہ ذلت کی پستیوں میں گر جائے گا، جہاں اس کی یہ حالت ہوگی کہ اس کا دل و دماغ کچھ کام نہیں دیگا اور وہ پریشان حال مارا مارا پھرے گا۔

(۱۰) یہ ذلت کی پہنیاں کیا ہوں گی؟

(۱۱) بس یوں سمجھئے کہ شعلہ خیز آگ جو متاعِ انسانیت کو راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دے گی۔ انسان کے سرکش اور بیباک جذبات، جو وحی کے تابع نہ رہیں، یہی نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔

سورۃ التکاثر (۱۰۲)

(۱) تمہیں معلوم ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جو تمہیں انسانیت کی صحیح منزلِ مقصود کی طرف سے یکسر غافل کر دیتی ہے ـــــ مال و دولت اور جاہ و منصب میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی ہوس۔
(۹/۴ ; ۵۵/۲۳ ; ۸۳/۲۳)

(۲) اگر تم اپنی طلب کو، اپنی ضروریات پورا کرنے تک محدود رکھو تو اس کی ایک حد ہوگی لیکن جب جذبہ محرکہ دوسروں سے آگے نکل جانا ہو، تو اس کی کوئی حد ہی نہیں ہو سکتی۔ اس جذبہ کے ماتحت کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ جتنا حاصل کرتے جاؤ اتنی ہی ہوس بڑھتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ انسان قبر کے گڑھے تک جا پہنچتا ہے۔

(۳) یہ بات ایسی نہیں جو سمجھ میں نہ آسکے۔ اگر جذبات سے ہٹ کر، ذرا عقل و فہم سے کام لو، تو تم بہت جلد جان لو کہ یہ روش کس قدر تباہ کن ہے۔

(۴) ہاں! تم اس طرح بہت جلد جان سکتے ہو کہ اس روش کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

(۵ - ۶) اور اگر تم ذرا اور گہرائی میں اتر کر غور کرو تو اس جہنم کو جس کی طرف انسان کی یہ روش لے جاتی ہے، تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔ (۲۹/۵۴ ; ۷۹/۳۶ ; ۴۲/۱۶)

(۷) لیکن تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تم اپنی موجودہ روش پر چلتے رہو گے تا آنکہ تم اس جہنم کے اندر جا گرو گے اور اس طرح اُسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔

(۸) اُس وقت تم سے پوچھا جائے گا کہ خدا کی ان نعمتوں کو، جنہیں اس نے تمام نوعِ انسان کی پرورش کے لئے عطا کیا تھا، تم محض اپنی ہوس کی تسکین کی خاطر سمیٹ سمیٹ کر کیوں رکھتے چلے جاتے تھے! تم سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے قصرِ تعیش کی رنگینیوں میں کس کس کے خون کی سُرخی شامل تھی۔ جو کچھ تم نے سمیٹا تھا، وہ کس کی محنت کا ماحصل تھا اور تمہیں اسے غصب کر لینے کا کیا حق حاصل تھا۔ (۱۰۲/۱-۸)

سُورۃ العَصر (۱۰۳)

(۱) زمانہ — یعنی انسانیت کی تاریخ — اس حقیقت پر شاہد ہے کہ

(۲) انسان کی کوششیں ہمیشہ ناکام رہی ہیں۔ اس کی محنت اکارت گئی ہے۔ وہ ہر مقام پر خاسر و نامراد رہا ہے۔ وہ اپنے مقصد کو کبھی نہیں پا سکا۔

(۳) لیکن اس میں ایک استثنا ہے، یعنی ایسے لوگ بھی ہیں جو کامیاب و کامران رہتے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں؟

وہ لوگ جو خدا کی طرف سے عطا کردہ مستقل اقدار اور غیر متبدل اصولِ حیات کی محکمیت پر یقین رکھتے ہیں۔

لیکن صرف یقین ہی نہیں رکھتے — محض یقین رکھنا تو کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا — ان پر یقین رکھتے ہیں اور پھر ان کے مطابق ایسے کام کرتے ہیں جو انسانوں کے اُلجھے ہوئے معاملات کو سنوار دیں۔ اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا کر دیں جس سے تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو جائے۔

لیکن یہ کام انفرادی طور پر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صرف اجتماعی طور پر ہی سرانجام پا سکتا ہے۔ اس لئے یہ لوگ جماعتی زندگی بسر کرتے ہیں جس میں ہر فرد اپنا فریضہ اتنا ہی نہیں سمجھتا کہ جو کام اس کے ذمے تھا اس نے پورا کر دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے بھی کہتا ہے کہ وہ بھی اپنا حق ادا کریں اور جس قدر مشکلات ان کے راستے میں آئیں، ان کا مقابلہ ثبات اور استقامت کے ساتھ کریں۔ ان کی ایک دوسرے کو حق اور استقامت کی تلقین، خود ان میں باہمی ربط و ضبط کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ وہ مسلسل و متواتر اس روش پر گامزن رہتے ہیں۔ اور اس طرح، آنے والوں کے لئے، زمانہ کی ریگِ رواں پر اپنے نقوشِ قدم

چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔

یہ وہ جماعت ہے جو کامیاب و کامران زندگی بسر کرتی ہے۔ دیگر انسانوں کی زندگی ناکامیوں اور نامرادیوں کی حسرت انگیز داستانوں کے سوا کچھ نہیں۔ تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں۔

سُورۃ الھُمَزۃ (۱۰۴)

(۱-۲)۔ (اے رسول! تم ان لوگوں سے برملا کہہ دو کہ) وہ شخص تباہ و برباد ہو کر رہے گا جس کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہو کہ دولت اکٹھی کرتا رہے اور پھر گنتا رہے کہ اب کتنا روپیہ جمع ہو گیا، اور اب کتنا۔ یعنی وہ ننانوے کے پھیر میں پڑ جاتے (۱۹/۷) ایسے شخص کی ذہنیت یہ ہو جاتی ہے کہ اگر قوم میں کوئی مصلح پیدا ہو جو سرمایہ داری کے نظام کے خلاف کچھ کہے تو یہ اس میں ہزار عیب نکالے گا، نکتہ چینی کرے گا۔ طعن و تشنیع تک اتر آئے گا، کوشش کرے گا کہ اس کے ساتھیوں میں پھوٹ پیدا کر دے۔

(۳) اس سے پوچھو کہ کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ مصیبتوں سے بچاتا رہے گا؟

(۴) اگر وہ ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کا زعمِ باطل ہے۔ اس کے اس مال کو ناکارہ شے کی طرح، اس تباہی کے جہنم میں جھونک دیا جائے گا جو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی اور یوں وہ کسی کام کا نہیں رہے گا۔ (۹/۳۵)

(۵) تجھے خدا سے بڑھ کر اور کون بتا سکتا ہے کہ یہ تباہی کا جہنم کیا ہے؟

(۶)۔(۷) یہ، خدا کے قانونِ مکافات کی بھڑکائی ہوئی وہ آگ ہے جس کے شعلے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

(۸-۹) یہ آگ ان بڑے بڑے ستونوں میں بند کر کے رکھی ہوئی ہے جنہیں یہ لوگ (اپنی غلط بینی سے) زندگی کے سہارے اور حیاتِ جاوید کے آسرے سمجھے بیٹھے ہیں۔ (یعنی ان کا مال و دولت، جس پر انہیں اس قدر بھروسہ ہے، خود وہ آگ ہے جو ان کی متاعِ حیات کو جلا کر راکھ بنا دے گی۔ آسمانی انقلاب میں سرمایہ داروں کی تباہی خود ان کے مال و دولت کی وجہ سے ہو جاتی ہے جسے وہ چھوڑنا نہیں چاہتے۔

سُورۃ الفِیْل (۱۰۵)

(۱)۔ (اگر یہ مخالفین اس خیال میں بیٹھے ہیں کہ ان کی اتنی بڑی قوت کو کون شکست دے سکتا ہے، تو ان سے کہو کہ) کیا تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا کہ تمہارے نشوونما دینے والے نے اُس لشکر کا کیا حشر کر دیا تھا جو ہاتھی لے کر حملہ آور ہوا تھا؟

(۲) تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ خدا نے ان کی خفیہ تدبیر کو کس طرح ناکام بنا کر رکھ دیا تھا۔

(۳) (انہوں نے ایک غیر مانوس خفیہ راستہ اختیار کیا تھا تاکہ وہ تم پر اچانک حملہ کر دیں۔ لیکن) چیلوں اور گدھوں کے جھنڈ (جو عام طور پر لشکر کے ساتھ ساتھ اُڑتے چلے جاتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بہت سی لاشیں کھانے کو ملیں گی) وہ اُن کے سر پر منڈلاتے ہوئے آ گئے اور اس طرح تم نے دور سے بھانپ لیا کہ پہاڑ کے پیچھے کوئی لشکر آ رہا ہے (یوں ان کی خفیہ تدبیر طشت از بام ہو گئی)

(۴)۔(۵) چنانچہ تم نے پہاڑ پر چڑھ کر ان پر سخت پتھراؤ کیا اور اس طرح اس لشکر کو اس طرح کر دیا جیسے کھایا ہوا بھُس ہو۔ (یعنی ان کا کچومر نکال دیا)۔

(یہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔ جب اتنے بڑے لشکر کو یوں شکست مل گئی تھی تو تم کس گنتی شمار میں ہو۔ تمہاری خفیہ تدابیر بھی ناکام رہ جائینگی)

سُورۃ القُریش (۱۰۶)

(۱-۲) قریش کعبے کے متولی ہیں اس لئے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عزت و عظمت ہے۔ اسی عظمت و احترام کا نتیجہ ہے کہ ہمسایہ قبائل اور ممالک نے ان سے عہد و پیمان کر رکھے ہیں کہ ان کے قافلوں کو کوئی نہیں لوٹے گا۔ چنانچہ یہ سردی اور گرمی میں، اپنے تجارتی قافلے مسلسل اِدھر اُدھر بھیجتے رہتے ہیں اور وہ ہمیشہ محفوظ رہتے ہیں۔

(۳۔۴) کعبے کے متولی ہونے کی وجہ سے قریش کو اس قدر فوائد حاصل ہیں لیکن جس مقصد کے لئے انہیں اسکا متولی بنایا گیا تھا، انہوں نے اُس مقصد کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ انہیں خدا نے بھوک اور

خوف سے نجات دلائی تھی، تاکہ یہ اس طرح مامون اور بے فکر ہو کر، کعبہ کو نظامِ خداوندی کا مرکز بنائیں۔ لیکن انہوں نے اسے یاترا کے لئے تیرتھ بنا کر رکھ دیا اور خود اس کے مہنت بن گئے۔

یہ غلط ہے۔ انہیں چاہیئے کہ یہ اُس گھر کے مالک کے قوانین کی اطاعت کریں جس گھر کے ساتھ نسبت نے انہیں یہ مقام عطا کر رکھا ہے۔ (یہ کام اب اِس جماعت کے ہاتھوں سرانجام پائے گا جو اس مقصد کیلئے متشکل کی جا رہی ہے)۔

سورۃ الماعون (۱۰۷)

(۱) کیا تم نے اس شخص کی حالت پر بھی غور کیا جو زبان سے اسلام کا اقرار کرنے کے باوجود، عملاً دین کی تکذیب کرتا ہے۔ یعنی اس کا طرزِ عمل اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اگر دینداری یہی ہے جس کا مظاہرہ اس کے اعمال سے ہوتا ہے، تو پھر دین کا ہر دعوےٰ جھوٹا ہے۔ (۵۳/۳۳ ; ۹۵/۷ ; ۳۲-۳۳/۷۵)

(۲-۳)۔ (دین کا مقصد یہ تھا کہ معاشرہ میں جو شخص بے یار و مددگار رہ جائے اسے محسوس تک نہ ہونے پائے کہ وہ تنہا اور بیکس ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے کسی کی کوئی ضرورت رُک جائے تو اُسے فوراً پورا کر دیا جائے۔ لیکن) اس "دیندار" کی حالت یہ ہے کہ جو شخص بے یار و مددگار رہ جائے، یہ اُسے دھکے دیتا ہے؛ اور محتاجوں کی مدد نہ خود کرتا ہے، نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتا ہے (۸۹/۱۷ ; ۶۹/۳۴)

(۴) کام تو ایسے کرتا ہے لیکن اپنے آپ کو "دیندار" ظاہر کرنے کے لئے نمازیں بہت پڑھتا ہے۔ اسی قسم کے نمازی ہیں جن کی نمازیں ان کی تباہی کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ نمازیں پڑھ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتے ہیں (یا دوسروں کو فریب دیتے ہیں) کہ یہ بڑے متقی، پرہیزگار ہیں۔

(۵-۶) انہیں اس کا پتہ ہی نہیں کہ صلوٰۃ کا مقصد کیا ہے؟ اس کا مقصد تھا ایک ایسے معاشرہ کا قیام جس میں تمام افراد کی نشوونما کا سامان بہم پہنچتا رہے۔ یہ اس کے اس مقصد سے تو غافل رہتے ہیں لیکن لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز کی بڑی پابندی کرتے ہیں۔ (۹/۵۴)

(۷) نمازیں بھی پڑھتے رہتے ہیں، اور اس کے ساتھ، رزق کے اُن سرچشموں پر، جنہیں بہتے پانی کی طرح ہر ایک کی ضروریات کے لئے کھلا رہنا چاہیئے، بند لگا کر ان پر اپنا قبضہ جما لیتے ہیں اور اس طرح ضرورتمندوں کو سامانِ زیست سے محروم کر دیتے ہیں۔

ان لوگوں کی نمازیں ان پر تب ہی نہیں لائیں گی تو اور کیا ہوگا؟ یہی ہیں جو دین کی تکذیب کرتے ہیں۔

سورۃ الکوثر (۱۰۸)

(۱) اے رسول! ہم نے تجھے قرآن جیسی نعمت عطا کی ہے جو سرچشمہ ہے دنیا بھر کی بھلائیوں اور خوشگواریوں کا۔ اس میں حکمت اور بھلائی کی لا متناہی باتیں ہیں جو زمانے کے ساتھ ساتھ ابھرتی اور سامنے آتی چلی جائیں گی اس خیر کثیر میں کبھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ (یہیں ہو)

(۲) اب تیرے لئے ضروری ہے کہ تو اس کی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ پھیلائے۔ اس لئے تو اپنے اس پروگرام کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف رہ۔ خدا کے نظام ربوبیت کے قیام کے لئے اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح ادا کر۔ ان پر علم و عقل، اور تجربہ اور سوجھ بوجھ سے پوری طرح حاوی ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنی جماعت کے لوگوں کے کھانے پینے کا بھی انتظام کر لے[ل]

(۳) اس وقت تو یہ حالت ہے کہ تیری جماعت کمزور سی ہے۔ اور مخالفین بڑی قوت اور کثرت کے مالک۔ لیکن آخر الامر تو دیکھے گا کہ جو لوگ تیرے نظام کی مخالفت کر رہے ہیں، ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔ اور یہی خیر کثیر آگے چلے گا۔

سورۃ الکافرون (۱۰۹)

(۱)۔ (اے رسول!) تم نے ان لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے کافی وقت صرف کر دیا۔ تم نے

ل نحر اونٹ ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔ عربوں کے ہاں کھانے پینے کا بہترین سامان یہی تھا۔ اس میں ایک اور نکتہ بھی پوشیدہ ہے۔ یہودیوں کے ہاں اونٹ حرام تھا (جس طرح ہندوؤں کے ہاں گائے حرام ہے)۔ مدینہ میں یہودیوں کا بڑا زور تھا اور انہیں خیال تھا کہ مسلمان جو مکہ سے اس طرح کمزور حالت میں نکل کر آئے ہیں ان کے دبیل بنکر رہیں گے۔ مسلمانوں کو شروع ہی میں کہہ دیا گیا کہ تمہیں یہودیوں سے دبنے کی ضرورت نہیں۔ اونٹ ذبح کرنا اس کی علامت ہوگی کہ ان کی روش زندگی یہودیوں سے الگ بلکہ ان کے علی الرغم ہوگی۔

ہر ممکن کوشش کر دیکھی کہ یہ تباہی سے بچ جائیں۔ لیکن اب کوئی امید باقی نہیں کہ یہ اس طرح صحیح راستہ اختیار کریں گے۔ یہ ابھی تک اپنے دل میں یہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ یا تو تم ہار تھک کر اپنی دعوت کو ختم کر دو گے، یا اُن سے مفاہمت کر لو گے۔ اس لئے یہ اس دعوت کو اختیار نہیں کرتے۔ لہٰذا اب وقت آگیا ہے کہ ان سے دو ٹوک بات کر لی جائے) تو ان لوگوں سے، جو تمہاری دعوت کی اس طرح مخالفت کر رہے ہیں، برملا کہہ دے کہ

(۲-۳-۴) تمہاری اور میری منزل بھی الگ الگ ہے اور راستے بھی الگ الگ۔ مقصود بھی الگ ہے اور اسے حاصل کرنے کے ذرائع بھی الگ۔ تمہارے معبود الگ ہیں، میرا معبود الگ۔ تم "عبادت" سے کچھ اور مفہوم لیتے ہو، میں کچھ اور۔ تمہارے معبود، تمہارے ذہن کے تراشیدہ ہیں، میرا معبود خالقِ کائنات ہے۔ تم اپنے معبودوں کی پرستش کرتے ہو، میں اپنے معبود کے احکام و قوانین کی اطاعت کو اس کی عبادت سمجھتا ہوں۔ لہٰذا، ہم دونوں ایک نقطہ پر جمع ہو ہی نہیں سکتے۔ اس میں مفاہمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۴-۵) یہ بھی مت خیال کرو کہ ہمارا اور تمہارا اختلاف کوئی ہنگامی اور وقتی اختلاف ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ خود بخود مٹ جانے کا۔ قطعاً نہیں! یہ اختلاف بنیادی اور اصولی ہے۔ یہ نہ اس وقت مٹ سکتا ہے، نہ اس کے بعد کبھی مٹے گا۔ تمہارے معبود الگ رہیں گے، میرا معبود الگ۔ تمہاری عبادت، ان معبودوں کی پرستش ہو گی، میری عبادت خدا کے قوانین کی اطاعت اور محکومیت — لہٰذا، یہ اختلاف اٹل ہے۔

(۶) اس لئے تمہارا پروگرام الگ ہے، میرا پروگرام الگ، تم اپنے پروگرام پر عمل پیرا رہو، مجھے اپنے پروگرام پر چلنے دو۔ نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ آخر الامر کامیابی کس کے حصے میں آتی ہے۔ (۶/۱۳۴؛ ۱۰/۴۱؛ ۱۵/۲۱۴؛ ۴۰/۳)

سورۃ النصر (۱۱۰)

(۱) (اس اعلان کے بعد جس کا ذکر سابقہ سورۃ میں کیا گیا ہے، تم ان سے الگ ہو جاؤ اور اپنے پروگرام کے دوسرے حصہ کو عمل میں لانا شروع کر دو۔ اس کے بعد تم دیکھو گے کہ اس کے نتائج کتنی جلدی سامنے آ جاتے ہیں۔ لیکن اس باب میں ایک بنیادی نقطہ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ اور وہ یہ کہ) جب، قانونِ خداوندی کے مطابق، تجھے غلبہ و نصرت حاصل ہو جائے۔ اور ان لوگوں کی مخالفت ختم ہو کر، دین کے دروازے ہر طرف سے کھل جائیں۔

(۲) اور تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ لوگ کس طرح جوق در جوق اس نظام میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ (19/94)

(۳) تو اُس وقت یہ نہ سمجھ لینا کہ بس اب کام ختم ہو گیا۔ مقصد حاصل ہو گیا۔ بالکل نہیں، اس سے تمہاری ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جائیں گی۔ ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ تم) اپنے نشوونما دینے والے کے نظام ربوبیت کو وجہ حمد و ستائش بنانے کے لئے اور بھی شدت سے سرگرم عمل رہو۔ اور اس سے تخریبی قوتوں کی مدافعت کے لئے، سامانِ حفاظت طلب کرتے رہو۔ تم یہ کرو گے تو خدا کی تائید و نصرت اور تیزی سے آگے بڑھ کر تمہاری طرف آئیگی۔ اسے چھوڑ دو گے، تو وہ بھی اپنی توجہ دوسری طرف پھیر لے گا۔ یہ پیغام خود تمہارے لئے اور تمہاری وساطت سے، تمہاری ساری اُمت کے لئے ہے)

سورۃ اللّھب (۱۱۱)

(۱) وہ دیکھو! جماعت مخالفین کا سب سے بڑا نمائندہ۔ قریش کی معاشرتی اور اقتصادی خرابیوں کا سب سے بڑا ذمہ دار۔ کعبہ کا متولّی۔ ان کے غلط نظام کا سب سے بڑا حامی۔ ابولہب۔ اس نظام خداوندی کے مقابلہ سے عاجز آگیا! اور بُری طرح ہلاک ہو گیا۔ (یہ ہلاکت درحقیقت اس نظام معاشرت و تمدن کی شکست ہے جس کا یہ نمائندہ ہے)۔

(۲) اور اس کا وہ مال و دولت، اور ساز و یراق، جس کے بل بوتے پر وہ اتنی سخت مخالفت کرتا تھا۔ اس کے کسی کام نہ آیا۔ (وہ اُسے اس تباہی سے نہ بچا سکا۔ غلط نظام، دولت کے سہارے کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ اس کی بنیاد میں خرابی ہوتی ہے۔ (69/28 ; 92/11 ; 96/7)

(۳) تم دیکھو گے کہ وہ کسطرح جہنم کی اس آگ میں جا گرتا ہے جس کے شعلے بڑے تباہ کن ہیں۔

(۴) اور اس کے ساتھ ہی اس کی بیوی بھی (جو اس کی سازشوں میں اس کی برابر کی شریک تھی) اور جگہ جگہ، لگائی بجھائی کر کے، اس جہنم کے ایندھن کو اپنی پشت پر لادے لادے پھرتی تھی۔

(۵) تم دیکھو گے کہ اس کی وہ سرکش گردن، جو کسی کے سامنے نہیں جھکتی تھی، کسطرح ذلّت و رسوائیوں کی رسیوں میں جکڑی جاتی ہے۔

(یوں باطل کے اس نظام کو شکست ہوگی اور تمہارا نظام غالب آجائیگا۔)

سُورۃ الاِخلاص (۱۱۲)

(۱)۔ (اس سلسلہ میں ان لوگوں پر اس بنیادی حقیقت کی بھی وضاحت کر دینی چاہیے کہ تمہاری یہ فتح اور کامرانی، محض فوجی طاقت کے بل بوتے پر نہیں۔ یہ کامیابی دراصل اس تعلیم کا نتیجہ ہے جسے تم علم و بصیرت کی تائید سے پیش کرتے اور دلائل و براہین کی رو سے منواتے ہو۔ اس تعلیم میں، بنیادی نکتہ خدا کے تصور کا ہے۔ خدا کے جس تصور کو تم پیش کرتے ہو، ہو نہیں سکتا کہ انسان اس پر عقل و فکر سے غور کرے، اور اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ وہ تصور یہ ہے کہ)

(i) خدائے واحد، اپنی ذات اور صفات میں یگانہ[1] ہے۔ ان میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ ساری کائنات میں اسی ایک کا قانون کارفرما ہے اور اسی ایک کے قانون کے تابع تمام انسانوں کو بھی ہونا چاہیئے۔ اس طرح ان میں بھی وحدت پیدا ہو جائے گی۔

(۲)۔ (ii) وہ خود مکتفی ہے اور باقی سب، اپنی زندگی، بقا، نشو و نما اور تکمیل کے لئے اس کے محتاج ہیں۔ وہ ایک بلند چٹان کی طرح ہے جو خود ہر قسم کے خطرات سے محفوظ اور بالا ہوتی ہے اور جس کی طرف سیلاب کے وقت ہر ایک پناہ کے لئے جاتا ہے۔

(۳) اس نے تمام ذی حیات کو عملِ تخلیق[2] سے پیدا کیا ہے نہ کہ تولید کے ذریعے[3]۔ (عملِ تولید میں پیدا کرنے والے کا، ایک حصہ مولود میں آجاتا ہے اور اس طرح والد۔ پیدا کرنے والا ۔۔ خود ناقص رہ جاتا ہے۔ تخلیق میں ایسا نہیں ہوتا)۔ نہ اس نے اس طرح کسی کو پیدا کیا ہے، نہ وہ خود کسی کے عملِ تولید کا نتیجہ ہے۔

(۴)۔ (iii) کوئی اس کا ہمسر، مثیل اور نظیر نہیں۔ اس جیسا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

(دنیا میں، چند دہریوں کو چھوڑ کر، باقی سب خدا کو ماننے کے مدعی ہیں۔ لیکن خدا کوئی محسوس شے نہیں کہ اسے دیکھ کر ہر ایک، ایک جیسا مانے۔ وہ غیر مرئی، غیر محسوس، ادراک و شعور سے بلند ذات ہے۔ اس لئے خدا کو ماننے سے مطلب یہ ہوگا کہ تم اس کے متعلق تصور کیا رکھتے ہو۔ ایک تصور کے مطابق اسے مانو، تو وہ خدا پر ایمان کہلائے گا۔ دوسرے تصور کے مطابق مانو تو وہ خدا پر ایمان کے دعوے کے باوجود، اس سے انکار ہوگا۔ خدا کا تصور وہی صحیح ہو سکتا ہے جسے خود خدا نے اپنے متعلق دیا ہو۔ اور یہ تصور قرآن کے علاوہ

---

[1] UNIQUE. [2] CREATION. [3] PROCREATION.

اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ لہذا، خدا کو اس تصور کے مطابق ماننا جو قرآن پیش کرتا ہے ' خدا پر ایمان کہلائیگا۔ خدا کا یہی تصور ہے جو نہایت مختصر لیکن کمال جامع شکل میں یہاں پیش کیا گیا ہے۔ تم علم کی بارگاہ سے پوچھو کہ خدا کا اس قسم کا منزہ اور بلند تصور کہیں اور سے بھی مل سکتا ہے؟ (اس خدا پر ایمان تمہاری کامیابی کا راز ہے۔ اس قسم کے خدا کو ماننے والی قوم سے آگے تو ایک طرف، اس کی ہم دوش بھی دنیا کی کوئی اور قوم نہیں ہو سکتی!)

سورۃ الفلق (۱۱۳)

(۱)۔ (یہ انقلاب جب نئے مرحلہ میں داخل ہو رہا ہے ——— یعنی جس میں اب مخالف قوتوں سے تصادم ہوگا ——— اس میں تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح محتاط رہنے کی جس طرح ایک نوزائیدہ بچے کو ہر وقت اپنی ماں کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہذا، تم اپنی جماعت سے کہدو کہ) میں اپنے نشو و نما دینے والے کے اُس نظامِ ربوبیت کے آغوشِ حفاظت میں پناہ لیتا ہوں جس کا قانونِ تخلیق و ارتقاء یہ ہے کہ تخریبی اور تعمیری قوتوں کے تصادم سے، ایک نئی چیز کی نمود ہوتی ہے۔ دانہ پھٹتا ہے تو اس میں سے کونپل نکلتی ہے۔ (۹۶/۶)

(۲) اُس نے کائنات میں جو کچھ پیدا کیا ہے اُسے اُس کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق مَصرف میں لایا جائے تو وہ خیر ہی خیر ہے۔ لیکن اگر اس کا استعمال غلط طریق سے کیا جائے تو اس سے شر پیدا ہوتا ہے۔ لہذا، ہمیں اس طرح کے شر سے محتاط رہنے کی بڑی ضرورت ہے۔

(۳) نیز ہمیں ان چیزوں کے متعلق بھی خاص احتیاط برتنے کی ضرورت ہے جن کے نہ ہونے سے نشو و نما رُک جاتی ہے (جیسے پانی کے غائب ہو جانے سے پودے کی نشو و نما رُک جاتی ہے)۔

(۴) اس نظام کی مخالف جماعتیں یہ بھی کرینگی کہ پروپیگنڈہ کی مہم شروع کر دیں، تاکہ اس کے نفسیاتی اثر سے ہمارے پختہ ارادوں میں کمزوری پیدا ہو جائے، ہماری ہمتیں پست ہو جائیں، ہمارے دلوں میں ایسے شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں جن سے ہمارے یقینِ محکم میں تزلزل واقع ہو جائے۔ ہمیں ایسی جماعتوں اور ان کی اس قسم کی حرکات سے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔

(۵) پھر ایسے لوگ بھی ہونگے جو ہماری ترقی سے جل بھن جائیں اور ہم سے حسد کرنے لگیں۔ ہمیں ان

حاسدوں سے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

(یہ ہیں وہ تخریبی قوتیں جن سے ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔ اور اس کی شکل یہ ہوگی کہ ہم زیادہ سے زیادہ قوانین خداوندی کی اطاعت کریں، اور اس طرح اس کی حفاظت کے آغوش میں آجائیں۔)

سورۃ النّاس (۱۱۴)

(۱)۔ (اس مقصد کے لئے جس کا ذکر سابقہ سورۃ میں کیا گیا ہے) ہمیں اس خدا کے قانون سے اور زیادہ قریب ہو جانا چاہیئے جس کے پیشِ نظر (کسی خاص گروہ، قبیلہ، جماعت، یا قوم کی نہیں بلکہ) پوری کی پوری انسانیت کی نشوونما ہے۔ وہ ربّ الناس ہے۔

(۲) یعنی اس خدا کے قانون سے قریب تر جس کے سوا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ انسانوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ ساری کائنات میں غلبہ و اقتدار اُسی کا ہے اور اُسی کے قوانین کی حکومت انسان کو اختیار کرنی چاہیئے۔ وہ ملک الناس ہے۔

(۳) اور وہی ہے جس کا قانونِ حفاظت تمام نوعِ انسان کو پناہ دے سکتا ہے۔ اسی سے انسانیت تمام خطرات سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ وہ الٰہ الناس ہے۔

(۴)۔(۵) اس خدا کے قوانین کے ساتھ زیادہ سے زیادہ متمسک رہ کر، ہمیں محتاط رہنا ہوگا ان لوگوں کی وسوسہ انگیزیوں سے جو دبے پاؤں آتے ہیں اور چپکے ہی چپکے کانوں میں کچھ پھونک کر پچھلے پاؤں لوٹ جاتے ہیں اور اس طرح لوگوں کے دلوں میں وساوس پیدا کرکے ان کے عزمِ راسخ کو کمزور کر دیتے ہیں۔

(۶) یہ کچھ جانے پہچانے لوگوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کی طرف سے بھی جو اجنبی اور بیگانے ہوتے ہیں۔ نیز ایسی مخفی قوتوں (غیر محسوس پراپیگنڈے کے نفسیاتی اثرات) کے ذریعے بھی جو نظر نہیں آتیں۔

(اس نئی منزل میں داخل ہوتے وقت ان تمام تخریبی قوتوں کی شرانگیزیوں سے محتاط رہنا ہوگا۔ یہ احتیاط اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ قوانین خداوندی کی اطاعت کرو۔)

باب المراسلات

اسلامیات کی تعلیم اور سیاست!

محترمی ۔ ۔ سلام و رحمت! آپ نے ایک موقع پر تحریر فرمایا تھا کہ ہمارے ہاں اسلامیات کا نصاب کچھ اس ڈھنگ سے مرتب کیا گیا ہے کہ اکثر تعلیمی اداروں میں یہ مضمون جماعت اسلامی کے لئے اڈے فراہم کر رہا ہے۔ بندہ نے جب اس مسئلہ کو ذرا گہری نظر سے دیکھا تو بے ساختہ آپ کی بصیرت کی داد دینی پڑی۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ معاملہ اس سے بھی کچھ آگے ہے اور خود نصاب کی تیاری تک میں ان حضرات کو کچھ عمل دخل ہے۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے لیکن اس کے باوجود جو چیز سب سے زیادہ قابلِ افسوس ہے وہ یہ ہے کہ اسلامیات کی تعلیم کو بھی سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔

جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے پچھلے چند ماہ میں بعض علماء کی طرف سے یہ احتجاج ہوتا رہا ہے کہ ہماری موجودہ نسل کو خلفائے راشدین کی سیرت پڑھنے سے محروم کر دیا گیا ہے کیونکہ حکومت نے اسلامیات کے مضمون سے خلافتِ راشدہ کا باب ختم کر دیا ہے۔ اس مضمون سے تعلق کی وجہ سے اس احتجاج کی حقیقت میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی، کیونکہ جدید نظام میں کتنی ہی خامیاں کیوں نہ ہوں، اس کے مختلف تعلیمی مراحل میں تین بار دفعہ مکمل اسلامی تاریخ پڑھا دی جاتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ یہ احتجاج کر رہے ہیں ان کے درس نظامی میں پندرہ اسلامی و غیر اسلامی علوم و فنون شامل ہیں لیکن اس میں خلافت راشدہ تو کجا تاریخ اسلامی کا ایک صفحہ بھی داخل نصاب نہیں۔

اب ان کے احتجاج کی حقیقت ملاحظہ ہو۔ اسلامیات کا مضمون میٹرک میں اختیاری (ELECTIVE) تھا جس کے لئے ایک مفصل کتاب داخل نصاب تھی۔ بعد میں حکومت کے فوری فیصلہ کے تحت اسے اختیاری مضمون کے علاوہ لازمی مضمون (COMPULSORY) بھی قرار دے دیا گیا۔ چونکہ اس نئے لازمی مضمون کیلئے فوری طور پر کتاب تیار کرنی ممکن نہ تھی اس لئے اختیاری اسلامیات والے مضمون کی کتاب کے کچھ حصے اس نئے لازمی مضمون کے لئے مقرر کر دیئے گئے۔ نوٹ فرمائیں کہ اس طرح کسی چیز کو بھی اسلامیات کے نصاب سے خارج نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اسلامیات کا اختیاری مضمون اپنی مقررہ کتاب کے ساتھ بعینہٖ اپنی جگہ پر قائم رہنے دیا گیا۔

لازمی نصاب میں جہاں خلافتِ راشدہ کا باب نہ تھا وہاں اس سے بھی زیادہ اہم کئی اور مسائل نہ تھے۔ یہ تو احتجاج کرنے والے حضرات بھی تسلیم کریں گے کہ سو صفحے کی کتاب میں یہ تمام کچھ چاہے اسے کتنا ہی مختصر کیوں نہ کر دیا جائے کسی طور سما نہیں سکتا۔ اس سلسلے میں ایک اور مزیدار بات سامنے آئی کہ ان احتجاج کرنیوالوں میں سے جن سے مجھے ملنے کا موقع ملا ان میں سے اکثر کو اختیاری مضمون اور لازمی مضمون کا فرق تک واضح نہ تھا۔ اور یہ ملک و قوم کی بدقسمتی ہے کہ جن حضرات کو یہ فرق معلوم تھا انہوں نے جان بوجھ کر چپ سادھے رکھی۔ کہ عامتہ الناس کو حکومت سے متنفر کرنے کا یہ موقع کیوں ہاتھ سے جانے دیا جائے۔

ان حضرات کا یہ احتجاج تو ایک مفروضہ تبدیلی کے خلاف تھا جس کی اصل کوئی نہیں تھی۔ اسی اثنا میں بی۔ اے کے اسلامیات کے نصاب میں ایک واقعی تبدیلی کی گئی۔ وہ تبدیلی یہ تھی کہ قرآن مجید کے سو نمبر کے پرچے میں سے آدھا قرآنی نصاب خارج کر کے اس کی جگہ جماعت اسلامی کے اہلِ قلم کی ایک کتاب "اسلامی نظریہ حیات" داخل نصاب کر دی گئی۔ یعنی اس سے پہلے اسلامیات کے طلبا کو سورۃ آل عمران تیار کرنی ہوتی تھی۔ اس میں ایک خوبی یہ تھی کہ اس سورۃ کو اچھی طرح تیار کرنے کے لئے نہ صرف طالب علم قرآن مجید ہی سمجھ سکتے تھے بلکہ خود بخود کچھ عربی زبان بھی سیکھ لیتے تھے۔ اس کی بجائے جو کتاب "اسلامی نظریہ حیات" داخل نصاب کی گئی ہے اس کے لئے تو شاید کسی اُستاد کی رہنمائی کی بھی ضرورت نہیں۔ اس پالیسی کے خلاف صرف ایک صاحب نے احتجاج کیا اور وہ ہیں کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے صدر محترم جناب ڈاکٹر محمد یوسف صاحب۔ انہوں نے کہا ہے کہ ان طریقوں سے رفتہ رفتہ اسلامیات کے مضمون سے عربی کو خارج کیا بلکہ ختم کیا جا رہا ہے۔ ہمیں حیرت ہے کہ اس اہم تبدیلی سے چونکہ ایک سیاسی جماعت کا مفاد وابستہ تھا۔ تو علماء میں سے کسی نے اس اہم اور واقعی تبدیلی کے خلاف ایک لفظ تک زبان سے نہیں نکالا۔ "اسلامی نظریہ حیات" پر ایک نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتاب جماعت اسلامی کی اہم کتابوں اور تحریروں کا خلاصہ ہے۔ دبے دبے الفاظ میں اس کی تصریح خود مؤلف کتاب نے بھی کی ہے۔

غور فرمایا آپ نے؟ —— جماعتِ اسلامی کی ایک کتاب داخل نصاب ہو چکی ہے اس کا تذکرہ کہیں نہیں آیا۔ لیکن اسی جماعت کی طرف سے خلافت راشدہ کی تاریخ کے سلسلہ میں حکومت کو مطعون کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی —— اسے کہتے ہیں سیاست!

"ایک شاہد عادل"

عربی خود سیکھئیے

نیا ایڈیشن

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا ۔ اور ملک کے تعلیم یافتہ گوشوں سے اس کی افادیت کے متعلق بڑی بلند آراء موصول ہوئی تھیں ۔ اس کے جدید ایڈیشن میں علاوہ ترمیم اور تصحیح کے ، قریب ایک سو صفحات پر مشتمل ایسے گوشواروں کا اضافہ کیا گیا ہے جن میں ساری عربی گرامر سمٹ کر آ گئی ہے ۔ اس سے یہ کتاب ایک بالکل جدید تصنیف بن گئی ہے اور ضخامت ساڑھے تین سو صفحات تک پہنچ گئی ہے ۔ جلدی منگوا لیجئے تاکہ یہ ایڈیشن بھی ختم نہ ہو جائے ۔

قیمت (علاوہ محصول ڈاک) ساڑھے چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ گلبرگ ، لاہور

خدا اور سرمایہ دار

ایک بصیرت افروز اور معلومات افزا پیش کش

- کیا اسلام مغرب کے معاشی نظام کا حامی ہے ——— ؟
- کیا اسلام، اشتراکی نظام کا حامی ہے ——— ؟
- کیا اسلام کا کوئی اپنا معاشی نظام ہے ——— ؟
- اس نظام کی تفاصیل کیا ہیں ——— ؟
- وہ کس طرح دوسرے معاشی نظاموں سے مختلف ہے ——— ؟
- کیا وہ نظام، نوع انسان کے معاشی مسئلہ کا اطمینان بخش حل پیش کرسکتا ہے ——— ؟
- اس نظام کی مخالفت کس طبقہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور کیوں ؟

یہ، اور اسی قسم کے دیگر معاشی مسائل کا تجزیہ، تبصرہ اور حل۔ عصر حاضر کے پریشاں انسان کے لئے شارع امید۔ اہل پاکستان کیلئے قندیل راہ

قسم اعلیٰ — سفید پرنٹنگ پیپر۔ نہایت روشن طباعت۔ مضبوط جلد حسین گرد پوش۔
قیمت — نو روپے
سستا ایڈیشن — نیوز پرنٹ بکس بورڈ کور — قیمت — پانچ روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - ۲۵/بی - گلبرگ ۲ - لاہور